ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
مئی ۱۹۹۳ء

فلا اقسم بالخنس
الجوار الكنس والیل اذا
عسعس والصبح اذا تنفس انه لقول
رسول كريم ذی قوة عند ذی العرش
مكين مطاع ثم امين وما صاحبكم
بمجنون ولقد راه بالافق المبين وما هو
على الغيب بضنين وما هو بقول شيطن
رجيم فاين تذهبون ان هو الا ذكر
للعلمين لمن شاء منكم ان يستقيم
وما تشاءون الا ان يشاء
الله رب العلمين

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے

تاریخ انسانی میں آج سے چودہ سو برس پہلے ایک خوشگوار واقعہ رونما ہوا۔ دنیا نے دیکھا کہ ایک یتیم ﷺ جس کی جوانی مفلسی کے آغوش میں پرورش پائی ہے، عزم صالح لے کر اٹھتا ہے۔ لوگ اس کی قیادت اسکی غربت کے باعث قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ مگر وہ غریبوں کی صالح فوج تیار کرنے میں منہمک رہتا ہے۔ تاآنکہ سرمایہ دار دنیا کے قیصر و کسریٰ اس کے سامنے خاک چاٹنے لگتے ہیں۔ احرار کو غریب جماعت اور غریبوں کی نمائندہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ مگر یاد رکھو! اس دعوے کے ساتھ پیغمبری وقت بھی آن پڑتا ہے۔ گزشتہ گیارہ برس کس مشکل سے گزرے۔ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر غریبوں کی رہنمائی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ مگر سخت جانی اور سخت کوشی نے مکی زندگی کا دور ختم کر دیا۔ مگر اس اصل کو نہ بھولنا کہ ہم غریبی کے عزم اور اسی الزام کو لے کر اٹھے ہیں۔ ہم میں سے وہ غدار ہے جو کسی سرمایہ دار نظام سے مطمئن ہونے کی کوشش کرے۔

وقت آنے والا ہے جب ہماری قوت ایمان کا نئے اسلوب و عنوان سے امتحان ہوگا۔ رامزے میکڈانلڈ کی طرح غریب پارٹی سے غداری کر کے امارت کی استواری کا باعث نہ بننا۔ امراء کی جماعتوں میں شخصی سربلندی نصیب ہو سکتی ہے۔ یعنی رامزے میکڈانلڈ کی طرح وزارت عظمیٰ بھی مل سکتی ہے۔ لیکن غداری سے غریب جماعت کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ پس اپنی غریب جماعت سے وفاداری اول شرط ہے۔ سب کچھ ملے گا۔ بشرطیکہ خالص اللہ کی خوشنودی کے لیے غریب عوام کو سرمایہ داری کے غلط نظام سے آزاد کرانے کی کوششوں کو جاری رکھا جائے۔

غربت کتنی دل شکستہ اور کتنی نرم ہوتی ہے۔ مگر باوجود اسکے ہم نے ایک کٹھن منزل طے کر لی ہے۔ حوادث نے ہم کو شکار کرنا چاہا۔ مگر ہر بار ہم دام و دانہ سمیت صاف نکل گئے۔ کئی بھٹیوں میں پڑ کر تپکے۔ دنیا نے ہماری سخت جانی کی مجبوراً داد دی۔ ہماری ایک مجاہدانہ تاریخ اور جماعتی فلاکشی طے ہو گئی ہے۔ اور یہ وقت اس تاریخ اور فلاکشی کی تربیت و تدوین کا ہے۔

خطبۂ صدارت

ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس قصور ۲ دسمبر ۱۹۴۱ء

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

Regd No. L - 8755

ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ مئی ۱۹۹۳ء جلد ۴ شمارہ ۵ قیمت فی پرچہ =/۸ روپے

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ

مجلس ادارت

رئیس التحریر:

سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول:

سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہ

حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ

ذوالکفل بخاری ◉ قمر الحسنین

خادم حسین ◉ ابوسفیان تائب

محمد عمر فاروق ◉ عبداللطیف خالد

سید خالد مسعود گیلانی

زرِ تعاون سالانہ

◉ اندرونِ ملک =/۱۰۰ روپے ◉ بیرونِ ملک =/۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ دار بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان — فون ۷۲۸۱۳

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت [شعبہ تبلیغ] **عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان**

ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل احمد اختر مطبع: تشکیل نورپرنٹرز مقام اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات	رئیس التحریر	۳
تجزیہ	جناب قمر الحسنین	۵
غلطی ہائے مضامین	محمد سعید الرحمٰن علوی	۷
جمہوریت (نظم)	پروفیسر خالد شبیر احمد	۱۴
کس طرح چھنکے میری سروس کی پائل دوستو!	پروفیسر محمد اکرام تائب	۱۶
اسلام اور جمہوریت	خطاب: سید عطاء المحسن بخاری	۱۷
مسافرینِ آخرت	ادارہ	۲۵
سر ظفر اللہ آنجہانی نے قائداعظم کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی تھی	جناب قمر الحسنین	۲۶
احتیاط کی ضرورت	جناب محمد اسلم شاہ	۲۸
ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار	حکیم محمود احمد ظفر	۳۰
میرا افسانہ	تلخیص عبدالمجید قریشی	۳۹
حسنِ انتقاد	سید ذوالکفل بخاری	۴۹
چمن چمن اُجالا	شہر شہر سے ڈائریاں	۵۰
حلقۂ احباب	قارئین	۵۴
یورپ کی صبحیں	جناب چوہدری محمد شفیق ایڈووکیٹ	۵۶

۳

دل کی بات

اپریل کا مہینہ بھی عجیب و غریب داستانیں اپنے سینے میں لئے بیٹھا ہے۔ علامہ اقبال نے ذائقہ موت چکھا تو اسی ماہ میں بھٹو صاحب کا آفتاب حیات غروب ہوا تو اسی ماہ میں اب نواز شریف صاحب کا سورج گھنا گیا ہے تو اسی ماہ میں ہی قومی اسمبلی ٹوٹ گئی۔ اقتدار کا شیش محل دھڑام سے زمین بوس ہو گیا۔ نواز شریف صاحب راولپنڈی سے اک جم غفیر کے ساتھ لاہور پہنچے۔ پھر کراچی بڑے بابا جی کے مزار سے روتے دھوتے سپریم کورٹ کے دروازے پر دستک دیتے دیکھے گئے۔ کیا ہوتا ہے کیا نہیں انتظار کیجئے۔ اور جمہوریت کی زد پہ آئے ہوئے "مظلومین" کا حشر دیکھئے!

اس کا نام بھی جمہوریت ہے کہ پی پی پی اور پی ڈی اے جو جمہوریت کے اصولوں پر گھائل ہو رہے تھے وہ بیک ڈور سے اقتدار کی کرسی پر فکس اپ ہو گئے ہیں۔ جمہوری مولوی بھی طواف کوئے ملامت میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں اگرچہ وہ کسی قطار شمار میں نہیں مگر اس انتظار میں ہیں کہ کب ان کی باری آجائے۔ اس کا نام بھی جمہوریت ہے کہ پی پی پی اور علماء جمہوریت پھر گلے مل کر گلے شکوے دور کریں۔ یہ بھی جمہوریت کے کرشمے ہیں کہ یحیٰ بختیار نواز شریف صاحب کے وکیل اور بے نظیر کے اقتدار پرستی کے رویئے پر اتنے برہم ہیں کہ بھرپور طریقے سے مذمت کر رہے ہیں۔ جس کی ان سے ہرگز توقع نہیں تھی۔ وہ بہ آواز بلند اس کو اپنا جمہوری حق سمجھتے ہیں۔ مسٹر وائیں اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہیں اور اقتدار کی "بھل" میں رینگ رہے ہیں یہ بھی جمہوریت ہے۔ پنجاب اسمبلی میں منظور وٹو کے حامیوں اور وائیں کے موالیوں میں دھینگا مشتی، مادر زاد برہنہ گالیاں، توبہ، توبہ!!! اسمبلی نہیں قحبہ خانہ تھی۔ "گھری ہوئی تھی طوائف تماش بینوں میں" اس کو بھی جمہوری حقوق کا طرۂ امتیاز کہا جاتا ہے۔

تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا ایست۔

- بے نظیر الیکشن جیتی، وزیراعظم بنی۔ جمہوریت
- بے نظیر کا اقتدار بھک سے اڑا، اسمبلی ٹوٹی۔ جمہوریت
- آئی جے آئی (مع علماء سوء) الیکشن جیتی۔ جمہوریت
- غلام مصطفیٰ جتوئی جسے کوٹ ادو سے خیرات ملی، کہنے لگا الیکشن میں دھاندلی ہوئی تھی۔ جمہوریت
- نواز شریف کی اسمبلی توڑ دی گئی۔ جمہوریت
- بے نظیر مع چیلوں کے اسحاق خان کے چرنوں میں اور لغاری، مزاری، چٹھہ حکمران ہیں۔ جمہوریت
- آٹھویں ترمیم ختم ہونی چاہیئے (نوابزادہ نصر اللہ خان) جمہوریت
- اسحاق خان اسمبلی کیوں نہیں توڑتے۔ (نوابزادہ نصر اللہ خان) جمہوریت

آٹھویں ترمیم برقرار رہے اور بے نظیر چپ، نصر اللہ خان چپ، آصف زرداری جو صدر اور آئی جے آئی کے الزامات کی روشنی میں قاتل، دہشت گرد، ڈاکوؤں کے سربراہ اور مسٹر ٹن پرسنٹ قرار پائے گئے مگر وزیر بنا دیئے گئے۔

اقرباء میرے کریں خون کا دعوی کس پر
اور
میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں

یہ پاکستان ہے یا قصاب خانہ،　　خبر لیجیو ہماری مہربانا!

یہ جمہوری تماشا پہلے دن سے پاکستان کے حصے میں آ ہے، جس یہودی و نصرانی نے ہم مسلمانوں کو تقسیم در تقسیم کے جاں گداز عمل سے گزارا۔ اسی نے چھینزی کا کھیل دیکھنے کے لئے ہمیں یہ جمہوری تماشا بھی بخشا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس جمہوری بد عملی سے اس ملک میں کوئی سی تبدیلی ممکن نہیں تو یہ بات واقعات کے عین مطابق ہے ورنہ چھیالیس برس کی حیات فاسقانہ اس پر شاہد عادل ہے۔ کیا اب ضروری نہیں ہوگیا کہ دین کے نام پر بلڈنگیں، کاریں اور شخصیت بنانے والے لوگ ان راحتوں اور آسائشوں کو چھوڑ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جدوجہد کا نقش ثانی مرتب کریں۔ توبہ کریں، استغفار کریں اور اس طرز جمہوری سے گریز کرنے کا فیصلہ کریں۔ یہ ایسا نظام ہے کہ اس میں تو (بقول علامہ اقبال) دو سو گدھوں کے مغز سے ایک انسان کا فکر تیار نہیں ہوتا۔ الجزائر میں "اسلامی جمہوریت" کا حشر دیکھ کر مست جمہوریت رہنا تو عمداً دین سے منہ موڑنے والی بات ہے اور اس میں دنیا و عقبیٰ کا خسارہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

"جبکہ یہ سب کچھ ہورہا ہے اور زمین کے ایک خاص ٹکڑہ ہی نہیں بلکہ اس کے ہر گوشے میں آج یہی مقابلہ جاری ہے تو بتلاؤ پرستارانِ دین حنیفی ان دجاجلہ کفر و شیطنت اور اس حکومت و امر الٰہی میں سے کس کا ساتھ دیں گے۔؟"

الہلال نمبر ا ج ۵ ص ۷ کالم ۲
مطبوعہ اتر پردیش اکیڈمی لکھنؤ

آپ کے عطیات

محاسبہ مزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کو دیجئے۔

بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک: اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی۔ ملتان

کیا نواز شریف، بھٹو بننا چاہتے ہیں؟

پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن نصرت بھٹو نے ایک بیان میں کہا ہے کہ "نواز شریف بھٹو بننا چاہتے ہیں اور وہ بھٹو کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں"۔

نواز شریف اگر بھٹو کی پالیسیوں پر عمل پیرا تھے تو پیپلز پارٹی کو ان کا ساتھ دینا چاہئے تھا اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا کہ "پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے" لیکن اصل بات یہ ہے کہ پی پی پی کو نواز شریف کا وجود ہی برداشت نہیں تھا۔ تبھی تو وہ بابا کے ساتھ مل کے نواز شریف حکومت ختم کرنے کے درپے تھی ورنہ مسئلہ تو بہت آسان تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پی پی پی بہر حال اقتدار میں رہنے کی خواہشمند ہے اسی لئے وہ نگران حکومت جیسے ہنگامی اقتدار کو بھی غنیمت سمجھ کے اس میں شامل ہو گئی ہے۔ یہاں تک کہ آصف زرداری بھی اقتدار کے جھولے میں بیٹھ گئے ہیں۔

بے نظیر بڑے قد آور سیاسی باپ کی بیٹی ہیں۔ ان سے اس سازش کی توقع نہیں تھی۔ بڑے باپ کی چھوٹی بیٹی کا قد چھوٹا ہو گیا اور تاریخ انہیں فلوپٹرہ کی طرح دھوکہ باز لکھے گی۔ انہوں نے مستقبل کی تاریک کھائی میں کود کر اپنا "شاندار" ماضی داغدار کر لیا ہے۔ اقتدار کی چند روزہ نشہ آور گیس ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ وہ بھٹو، ضیاء الحق اور آصف نواز سے زیادہ محفوظ نہیں ہیں۔ انہیں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے اور انتقام کی سیاست سے کنارہ کشی کر لینی چاہئے۔ انتقام انسان کے دل و دماغ اور آنکھوں کو بھی اندھا کر دیتا ہے اور وہ صاف ستھری سیاست نہیں کر سکتا اور نہ ہی قیادت بے داغ رہ سکتی ہے۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ پیپلز پارٹی جسے ملک کی سب سے بڑی عوامی سیاسی جماعت ہونے کا دعویٰ ہے۔ اس نے بھی قومی سیاست کی بجائے مخلاقی سازشوں اور مفاد پرستی سے بھرپور سیاست اختیار کر لی ہے۔ جس نے ملک میں مستقل عدم استحکام اور بحران کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب نے انگریز دور کے امراء کا کردار ادا کیا ہے ساری عمر جس طریق کار اور سیاست کی نفی کی۔ آخر عمر میں وہی توشہ آخرت بنی۔ میں نہیں سمجھتا کہ نواب صاحب کا موجودہ طریق کار کسی اعتبار سے بھی جمہوری عمل کہلانے کا مستحق ہو۔ نواب صاحب اپنے ان اسلاف کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں تو ان کا کوئی عمل اس ڈھب کا نہیں نکھا سکتے۔ اپنے طرز عمل کی وجہ سے نواب صاحب کسی اصول پرست آدمی سے آنکھ نہیں ملا سکتے ہیں۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ نواب صاحب اتنے بدل گئے ہیں۔ اس جمہوریت کو خدا خراب کرے جس نے اخلاقی اقدار بھی تباہ کر دی ہیں جو شخص تمام عمر انتخابات اور اسمبلیوں کے تحفظ کی بات کرتا رہا۔ اس نے پوری شد و مد کے ساتھ اسمبلیاں توڑنے کا مطالبہ کیا۔ اور خاتمہ کرا کر ہی دم لیا۔

اس وقت ملک کی سیاسی صورت حال انتہائی غیر یقینی اور غیر مستحکم ہے۔ سیاسی گرگے سازشوں کے جال بڑی تیزی اور مہارت سے بن رہے ہیں۔ ابھی تک مطلع ابر آلود ہے۔ تاہم سیاسی شعور رکھنے والے ہر بالغ نظر کے ذہن میں مختلف سوالات ابھر رہے ہیں کہ

کیا نواز شریف بھٹو بننا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا بھٹو کے انجام سے وہ باخبر نہیں؟ کیا انتخابات مقررہ وقت پر ہوں گے؟ کیا پیپلز پارٹی اور نواز شریف صدر کے خلاف متحد ہو جائیں گے؟ حزب اختلاف کے باقی ماندہ سیاست دانوں کا مستقبل کیا ہے؟ آئندہ انتخابات میں علماء کرام اور دینی جماعتوں کو کیا حیثیت ملے گی؟ اب اسلام کا نام کون استعمال کرے گا؟ کیا مارشل لاء نافذ ہو جائے گا؟

ان سوالات کے جواب میں حتمی طور پر فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا تاہم ایک بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کے ذریعے نفاذ اسلام کا تجربہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور آئندہ اس مکروہ سیاسی کھیل میں اسلام کا نام بھی استعمال نہیں کیا جاسکے گا۔ ہاں اگر دینی جماعتیں تمام سیاسی گروپوں سے یکسر بے نیاز ہو کر اپنی قوت کا علیحدہ مظاہرہ کریں تو ملک کی سیاسی تاریخ میں یہ ایک خوشگوار دھماکہ ہوگا اور یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اس سے جدوجہد کا ایک رخ متعین ہو جائے گا۔ اور کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ اگر موجودہ سیاسی رسہ کشی نے طول اختیار کیا اور نزاع کی کیفیت میں شدت پیدا ہوئی تو مارشل لاء کے نفاذ کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا۔

علم وادب اور تاریخ وسیرت سے دلچسپی رکھنے والے باذوق قارئین کے مطالعہ کیلئے دو اہم کتابیں

فدائے احرار، عظیم مجاہد آزادی
مولانا محمد گل شیر شہید
مؤلف، محمد عمر فاروق : قیمت /150 روپے

صاحب طرز ادیب، مفکر احرار
چودھری افضل حق رحمہ اللہ کی
نایاب اور اہم کتاب "شعور"
قیمت — ۳۵ روپے

شیزان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیجیے!

یاد رکھئے! ہم مسلمان ہیں اور مرزائی کافر مرتد!
ہم اگر اُن کی مصنوعات استعمال کریں گے تو وہ ہمارے سرمائے سے ہمارے خلاف اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے آسانیاں پائیں گے،
فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ بائیکاٹ یا —؟

غلطی ہائے مضامین ——— ●●● ——— محمد سعید الرحمٰن علوی

تحریکِ مقدسہ تحفظ ختمِ نبوت

جھوٹے مدعی کون ہیں اور سچ کیا ہے؟

"ہندوستان جنت نشان" ایک تاریخی ضرب المثل ہے---- کہا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں مستند شہادتیں موجود ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر بھیجا گیا تو اسی خطہ میں---- یہ خطہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی توجہ کا مرکز رہا۔ حال ہی میں بمبئی سے ایک صاحب علم کی ایک کتاب چھپ کر آئی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام جیسے اعظیم پیغمبر کی بعثت اسی خطہ میں ہوئی اور بھی بہت سے انبیاء و رسل کی اس خطہ میں بعثت اور یہاں ان کے آخری ٹھکانوں کا پتہ لگایا گیا ہے۔ آخری امام و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے قبل اس خطہ کے لوگوں کے مختلف النوع تعلقات جزیرۃ العرب کے لوگوں سے قائم تھے اور بعثت نبویؐ سے جلد ہی بعد آپ کے دوسرے خلیفہ، مراد و شاہکار رسالت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرام کے قافلے اس سرزمین پر پہنچے جبکہ یہ سلسلہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی قائم رہا اس کے بعد سیدنا علی کے دور میں معاملات تعطل کا شکار رہے۔ البتہ بنو امیہ کے دور میں پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ولید بن عبدالملک اموی مرحوم کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے تو کمال ہی کر دیا کہ اپنے داماد اور برادر زادے محمد بن قاسم مرحوم کو جواں سالی میں یہاں بھیج کر اس خطہ کا رخ پلٹ دیا۔ اس کے بعد یہاں برابر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ اہل نظر و تحقیق کا کہنا یہ ہے کہ گیارھویں صدی ہجری سے یہ خطہ مجددین امت کا مرکز بن گیا۔ جس کی پہلی کڑی حضرت الامام مجدد الف ثانی تھے نیز ان کے ہم عصر شیخ

عبدالحق محدث دہلوی اور کتنے ہی ایسے حضرات تھے جن کی علمی، دینی اور روحانی توجہات اس خطہ کو منور کرتی رہیں۔ ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے فرزندان، حضرت سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید جیسے اکابر نسلاً بعد نسل اس سرزمین کو منور کرتے رہے جبکہ گذشتہ صدی کے حوالہ سے شیخ الہند مولانا محمود حسن اور ان کے قافلے کے لاتعداد اکابر نے اس مشعل کو خون جگر سے روشن رکھا۔

حضرت الامام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں مغل بادشاہوں کی شاہانہ داد و دہش سے یورپین اقوام کے افراد یہاں آئے، اللہ تعالیٰ کی سرزمین کو کسی قوم اور طبقہ کے لئے بند کر دینا صحیح تو نہیں لیکن اپنے گھر میں کسی کو یوں ڈھیل دے دینا بھی ہی مصالح کے منافی ہے، افسوس کہ مغل حکمرانوں سے اس معاملہ میں بعض فاش غلطیاں سرزد ہوئیں جس کے نتیجہ میں کمپنی کے ڈائریکٹر صاحبان ملک پر قابض ہوتے چلے گئے۔ ان کے ہاتھوں یہاں کی اقوام بالخصوص مسلمانوں نے معاشی

تحریکِ ختمِ نبوت کو سبوتاژ کرنے کیلئے

مولانا یوسف بنوریؒ کے خلاف فتوے کس نے شائع کرائے؟

طور پر بڑی زک اٹھائی اور بالآخر 1857ء کا سال آگیا جس میں حالت وہ ہوگئی کہ مالک خیمہ سے باہر ہوگیا اور اونٹ اندر آگیا۔ اس دور میں انگریز بہادر نے جس بربریت، ظلم، ناانصافی اور جبر و استبداد کا مظاہرہ کیا وہ بڑی ہی المناک کہانی ہے لیکن اس سے بڑھ کر المناک کہانی وہ ہے جس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو یہاں کے باشندے ہوکر اپنے ہی بھائی بندوں پر ظلم توڑ رہے تھے۔ ان ضمیر فروش، قوم فروش اور ملت فروش افراد میں ہر قسم کے لوگ تھے، پیران عظام، علماء، نواب، جاگیردار، وڈیرے، اکابرین سیاست، الغرض ہر ذوق و مسلک کے

انگریز کے دور میں قادیانیت کے فتنے نے
ملت اسلامیہ کو سب سے زیادہ پریشان کیا
اور قیام پاکستان کے بعد بھی یہ فتنہ مسلط رہا

لوگ تھے۔ کچھ لوگوں نے اپنے تعویذ گنڈوں اور روحانی مکاشفات و تصرفات سے انگریز کو سہارا دیا تو کچھ نے اپنی فضیلت علمی کو انگریز کے لئے داؤ پر لگا دیا۔ مقامی زبان کی جگہ بدیسی زبان کا فتنہ، انگریزی تعلیم کے ساتھ انگریزی تہذیب کا فتنہ، مذہبی فرقہ واریت کا فتنہ اور کتنے ہی ایسے فتنے جنہوں نے ملت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ لیکن ہمارے خیال میں سب سے بڑھ کر جس فتنہ نے ملت کے لئے پریشانی کا سامان پیدا کیا وہ قادیانیت کا فتنہ تھا جس کے بانی جناب مرزا غلام احمد صاحب تھے۔ "رؤسا پنجاب" نامی مستند کتاب کے مطابق مرزا صاحب کا خاندان قدیم سے برٹش سرکار کا خیرخواہ تھا ایسے خیرخواہ خاندان کے فرد سے بڑھ کر کون معتمد ہو سکتا تھا؟

انگریز سرکار محسوس کرتی تھی کہ اس نے ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کے جسم تو فتح کر لئے لیکن ان کے دلوں کو فتح کرنے کا عمل باقی ہے، مسلمان مار کھا کھا کر اور دکھ اٹھا اٹھا کر انگڑائی لیتے، اس کا سبب کیا تھا؟ انگریز عمائدین حکومت و سیاست اور پادری صاحبان کا ایک کمیشن بٹھا کر اس کا تجزیہ کیا تو 1864ء میں رپورٹ یہ سامنے آئی کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی تعلیم یہ ہے کہ غیرملکی آقاؤں کی غلامی جرم ہے۔ اس غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھینکنا لازم ہے اس لئے وہ بار بار سرگرم عمل ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کو رام کرنے کے لئے مشائخ و علماء کی ایک کھیپ سے کام لیا گیا، انہیں شمس العلماء اور اعلیٰ حضرت جیسے خطابات سے نوازا گیا لیکن بات بن نہ سکی۔ بعض علماء کی طرف سے مجاہدین ملت اسلامیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان کھڑا ہوا لیکن پھر بھی معاملہ حل نہ ہوسکا تو اب ایک عدد نبی کی ضرورت محسوس ہوئی جو سابقہ نبی کی شریعت کی منسوخی کا اعلان کرے، جہاد کو دور ماضی کا قصہ بتلائے اور مسلمانوں کو اس سے روکے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے ٹھیک انہی خطوط پر کام کیا۔ جب 1908ء میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے مرید باصفا حکیم نورالدین بھیروی ان کے جانشین و خلیفہ قرار پائے، حکیم صاحب سے مرزا صاحب کا جو تعلق تھا اس کا اندازہ مرزا صاحب کے اس مصرعے سے ہوتا ہے جس میں مرزا صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اچھا ہوتا کہ ہر امت میں ایک نورالدین ہوتا۔ قادیانی جماعت میں جتنے پڑھے لکھے لوگ تھے وہ سب کے سب حکیم نورالدین کے شاگرد تھے اور مرزا صاحب کی اولاد محض "صاحبزادگی" کے زعم کا شکار تھی اس لئے عام خیال یہی تھا کہ حکیم صاحب کے بعد جو شخص برسرخلافت آئے گا وہ جماعت کا کوئی پڑھا لکھا شخص ہوگا لیکن مرزا صاحب کی اولاد بالخصوص ان کے بڑے بیٹے مرزا بشیرالدین محمود نے ایسا جال بنا کہ حکیم صاحب کا سارا حلقہ بے نیل و مرام قادیان سے اٹھ کر لاہور آگیا اور مولوی محمد علی کی قیادت میں ایک نئی جماعت تشکیل دے لی۔ جبکہ قادیان کا مرکز اب بالکلیہ مرزا صاحب کی اولاد کے قبضہ میں تھا اور جملہ حواری ان کے ساتھ تھے یہ سلسلہ جو 1914ء سے جاری ہوا وہ اب تک جاری ہے مرزا محمود کے بعد اس کا بیٹا مرزا ناصر احمد برسرخلافت آیا تو اس کے بعد اس کا بھائی مرزا طاہر احمد جو اب تک

اس منصب پر فائز ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود انتہائی ہوشیار، چالاک، عیار اور فریبی انسان تھا اس نے اپنی جماعت کی طرح تنظیم کی کہ دنیا کے بڑے حصہ میں سازشوں کا ایک جال پھیلا دیا یورپین ممالک تو ان کے پیچھے تھے ہی کہ انہی کے شہ پر وہ برسرعمل تھے اور وہی انہیں خوراک فراہم کر رہے تھے انہوں نے روس، جرمنی، ایشیائی اور افریقی ممالک کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا۔

قادیانی جماعت کے اعتقادی اور فکری نظریات کو علماء نے بہت جلد سمجھ کر ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس ضمن میں لدھیانہ کے علماء کا رول سب سے بڑھ کر ہے تو مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کے عقیدت مندوں نے بھی اپنی ذمہ داریوں کا شدت سے احساس کیا۔ مولانا گنگوہی کے براہ راست شاگرد اور ایک واسطہ سے شاگرد (دوہری حیثیت) مولانا سید انور شاہ نے سب سے بڑھ کر اس محاذ پر کام کیا جس نے بہاولپور کے مقدمہ سے لے کر علامہ اقبال کو اس محاذ پر سرگرم عمل کرنے تک ان کا ایک رول ہے، ادھر اپنی بہت سے شاگردوں

صاحب نے قادیانیت کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے ان مراعات یافتہ طبقات کا تسلسل قرار دیا جو 1857ء سے برابر انگریز سرکار کے دم سے چھلا کا کردار ادا کر رہے تھے، وہ طبقات جو استحصالی عناصر کی لوٹ مار کے لئے انتہائی بے شرمی اور ڈھیٹ پنے سے شرعی سند مہیا کرنے میں مشغول تھے جن کا کام غریب اور متوسط طبقہ کے زخموں پر نمک پاشی تھا جو صد درجہ ظالمانہ رول ادا کرنے میں لگے ہوئے تھی چودھری صاحب نے "تاریخ احرار" میں جو لکھا ہر چند کہ بڑا مختصر ہے لیکن ایک صاحب نظر اس متن کی شرح میں بہت کچھ لکھ سکتا ہے۔

علامہ اقبال جن کے مراسم و تعلقات قدیم سے قادیانی جماعت سے تھے اور بدقسمتی سے جن کے خاندان کے بہت سے افراد قادیانی ہو چکے تھے خود ایک وقت میں قادیانیوں کے جال کا شکار ہو گئے گو کہ عنوان بڑا معصوم تھا یعنی مظلوم کشمیریوں کی مدد، جس کے لئے بنائی گئی کمیٹی میں مرزا بشیر الدین کے ساتھ علامہ اقبال بھی شامل تھے لیکن در حقیقت یہ ایک خوفناک سازش تھی کہ کشمیری مظلوموں کو قادیانیت کے جال میں پھنسا کر کشمیر کو قادیانیت کی بیس (BASE) بنایا جائے ایسے ہی جیسے تقسیم

مرزا بشیر الدین محمود نے دنیا کے بڑے حصے میں سازشوں کا ایک جال پھیلا دیا

قادیانیت کی مخالفت کرنے کی پاداش میں علامہ اقبال کو قادیانیوں نے آج تک معاف نہیں کیا!

سے تحریری سرمایہ مرتب کرانے کے ساتھ انہوں نے ملک کی ایک منظم و مقبول جماعت مجلس احرار اسلام کو قادیانیت کے تعاقب پر لگایا اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت کا مقام دے کر ایک منظم جدوجہد کا آغاز کیا۔ ندوۃ العلماء کے بانی مولانا سید محمد علی مونگیری بھی ان بزرگوں میں شامل ہیں جنہوں نے اس محاذ پر بڑا جاندار کردار ادا کیا جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں سے مرحوم چودھری افضل حق، علامہ اقبال اور پروفیسر الیاس برنی کا نام بڑی شہرت کا حامل ہے۔ چودھری

ملک کے بعد قادیانیوں نے بلوچستان کو بیس بنانے کی کوشش کی، لیکن مولانا سید انور شاہ کی نگاہ بصیرت اس سازش کو بھانپ گئی اور وہ بہاولپور سے واپسی پر لاہور آکر بڑی اہتمام سے اقبال کو ملے، کئی گھنٹہ کی تنہائی کی ملاقات، اپنا کام کر گئی اور اقبال کا جو اپنا مصرعہ ہے کہ ع

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں----- تو اس کے مصداق اقبال ایک مرد مومن کے اثر سے وہ کام کر گئے کہ قادیانیت آج تک ان کو معاف نہیں کر پائی۔ لاہور کے ایک سکہ بند قادیانی نے اقبال کے فرزند کی کتاب "زندہ رود" کا جو تعاقب لکھا "اقبال اور

احمدیت" کے نام سے' یا اقبال کے حقیقی بھتیجے شیخ اعجاز احمد نے "مظلوم اقبال" کے نام سے جو لکھا وہ قادیانیوں کے اسی جذبہ انتقام کا غماز ہے افسوس یہ ہے کہ جس اقبال کو پاکستان کا مصور کہا جاتا ہے اس کے پاکستان میں' بالخصوص پاکستان کی بانی جماعت نے اقبال کے نظریات کی ذرہ برابر لاج نہیں رکھی اور جب بھی یہاں مسلم لیگ کا راج رہا' وہی دور قادیانی حضرات کے لئے بہت مفید ثابت ہوا' اقبال نے پنڈت نہرو کے جواب میں جو لکھا اس کی چوٹ آج بھی قادیانی محسوس کرتے ہیں۔

قادیانیوں کو دین و ملت کے ساتھ ملک کا غدار قرار دینے کا سہرا اقبال کے سر ہے تو ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے علیحدہ تشخص کا مطالبہ بھی سب سے پہلے اقبال نے کیا لیکن پنجاب میں اقبال کے حریف محروم تھے یا آج کی طرح ان پر بھی اس قسم کے فیصلوں کے لئے کسی بیرونی طاقت کا دباؤ تھا؟ بانی پاکستان کی ان نوازشات کے باوصف چودھری ظفراللہ نے اپنے محسن کا جنازہ تک نہ پڑھا اور ہر موقع پر پاکستان سے زیادہ اپنے جماعتی اور گروہی مفادات کا پاس کیا۔ چودھری صاحب کی عنایات سے نہری پانی اور کشمیر کے مسائل الجھے۔ روس و افغانستان سے ہمارے تعلقات بگڑے اور عرب دنیا میں ہمارا امیج تباہ ہوا لیکن بانی پاکستان کے جانشین برابر ان کی ناز برداریاں کرتے رہے اور وہ برابر سات برس اس اہم منصب پر فائز رہے' ان کی حیثیت کے سبب انہیں ایک موقعہ پر کعبتہ اللہ کے سالانہ غسل میں شریک کیا گیا اور یوں پاکستانی اکابرین و عمائدین عتاب الٰہی کو دعوت دیتے رہے۔

پاکستان میں سرظفراللہ کو اہم مناصب کیوں دیئے گئے؟

سر شفیع نے اپنی ریٹائرمنٹ پر چودھری ظفر اللہ خان کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کا ممبر بنوا کر ظلم عظیم کیا تو 1946ء کے اجلاس مسلم لیگ دہلی خصوصی سیشن کا صدر اسی ظفر اللہ کو بنایا گیا یوں مسلم لیگ نے اقبال کی روح کو مضطرب کیا۔ اس معاملہ میں اقبال کی غیرت کا یہ حال تھا کہ اس نے اپنے دوست سر راس مسعود کو اپنے بچوں کی سرپرستی کے لئے لکھا اور کہا کہ چونکہ ان کے بھائی قادیانی ہیں اس لئے وہ اس کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی غیر مسلم ان کے بچوں کا سرپرست ہو' لیکن اقبال کے خواب کی تعبیر پاکستان کی شکل میں سامنے آئی تو اس کی سرحدوں کے تعین کے لئے جو کمیشن تجویز ہوا اس میں پاکستان کے کیس کے لئے بانی پاکستان نے چودھری ظفر اللہ خان کو نامزد کر دیا جس نے اپنے باس مرزا محمود کی خواہش کے احترام میں گورداسپور کا علاقہ ہندوستانی نمائندوں کے بقول طشتری میں رکھ کر ہندوستان کو دے دیا لیکن ستم یہ ہے کہ پھر اسی ظفراللہ کو بانی پاکستان نے پاکستان کی وزارت خارجہ سونپ دی' کیوں؟ بانی پاکستان اپنی گرتی صحت کے پیش نظر صحیح فیصلوں کی قوت سے

قادیانی حضرات نے بیرونی سفارت خانے اپنے باطل نظریات کی تبلیغ کے اڈے بنا دیئے۔ بلوچستان میں وسیع پیمانے پر سازش کا جال بچھایا تا کہ یہ خطہ جو اب تک برطانوی انتداب میں تھا اس کو اسی میں نہلایا جاسکے۔ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت اس نوزائیدہ مملکت کی کلیدی آسامیوں پر قادیانی حضرات کی تقرریاں ہوتی رہیں حتیٰ کہ خواجہ ناظم الدین کے زمانہ میں وہ وقت آگیا کہ چودھری ظفراللہ سرکاری حیثیت میں کراچی کے ایک جلسہ میں شریک ہوئے اور وہاں جو بھاشن دیا اس میں حضور اکرم محمد مصطفیٰؐ کے دین کو مردہ دین اور مرزا صاحب کے دین (؟) کو زندہ دین قرار دیا۔ لحظہ بہ لحظہ حالات بگڑے تو اہل دین اور غیرت مندان ملت سامنے آگئے۔ حکومت سے رابطہ پر انہیں مایوس ہونا پڑا کہ خواجہ صاحب نے چودھری صاحب کی علیحدگی پر امریکی ناراضی کے خدشہ کا اظہار کیا' یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے 1953ء کی تحریک بپا ہوئی جو مجلس عمل اس تحریک کی ذمہ دار تھی اس میں ملت کا ہر درد مند اور دین کا ہر بہی خواہ شامل تھا۔ یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ تحریک کو تشدد کی راہ پر ڈالنے میں جہاں خفیہ ایجنسیوں میں

مجھے قادیانیوں اور ان کے گماشتوں کا رول تھا وہاں مولانا عبدالستار نیازی نے بھی غیرذمہ داری کا مظاہرہ کیا اور وقت آیا تو داڑھی منڈا کر فرار ہونے کی کوشش کی جبکہ بہ حیثیت جماعت' جماعت اسلامی نے اس وقت کسی اچھے کردار کا مظاہرہ نہ کیا حالانکہ جماعت کے ذمہ دار نمائندے تمام بنیادی فیصلوں میں برابر کے شریک تھے جبکہ تمام عمائدین کے جیل جانے کے بعد مرحوم مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے بھی مسٹر دولتانہ اور مسلم لیگی قیادت سے اپنے تازہ بتازہ تعلقات کے سبب ایک ایسا بیان دیا جو ان کی شان رفیع سے فروتر تھا اور اسی وجہ سے پھر حضرۃ الامیر سید عطا اللہ شاہ بخاری کے ان سے مراسم بحال نہ ہوسکے۔ جماعت اسلامی کے رویہ کا تجزیہ مرحوم ماسٹر تاج الدین انصاری نے اپنی ایک تحریر "بیان صادق" میں کیا۔ جماعت کے اکابر جب بھی اور اب بھی یہ باور کراتے ہیں کہ ہماری خواہش اسلامی نظام کی قرارداد و مطالبہ کی تھی' یہ مسئلہ بھی اس میں حل ہوجاتا لیکن احراری بزرگ کریڈٹ کے چکر کا شکار تھے۔" یہ اتنی صریح غلط بیانی ہے کہ اس کی تردید کے لئے الفاظ کا چناؤ مشکل ہو رہا ہے۔ حکومت کا رویہ انتہا درجہ گھٹیا' سوقیانہ مستبدانہ اور باعث شرم تھا۔ وہ فوج کو کشمیر کی جنگ میں اپنی اصلیت ظاہر کرچکی تھی اسے جنرل اعظم کی سربراہی میں مسلمان عوام کے سینے چھلنی کرنے پر لگا دیا گیا اور لاہور کو مارشل لاء کے سپرد کرکے ہلاکو' چنگیز اور جنرل اڈوائر جیسے رسوائے زمانہ لوگوں کی یاد تازہ کی گئی۔

اس ظلم کا آخری بند وہ انکوائری کورٹ تھی جس کے سربراہ جسٹس منیر تھے' وہی جسٹس منیر جو آئندہ چل کر گورنر غلام محمد کے غیردستوری اور آمرانہ و ظالمانہ اقدامات کو تحفظ دینے کا سبب بنے۔ اس کورٹ میں مجلس عمل کی طرف سے مولانا مظہر علی اظہر بھی پیش ہوئے۔ 46-1945ء کے الیکشن میں انتخابی معرکہ کے

- شاہ فیصل نے مجھ سے کہا" بھٹو سے اسلام نافذ کرادو کئی سال کا پاکستانی بجٹ دے دوں گا!
- میرے کہنے پر شاہ فیصل نے بھٹو کو ۲ری آئینی ترمیم کی راہ پر ڈالا

—— خطیب شاہی مسجد کی شاہی غلط بیانیاں

دوران مولانا مظہر علی نے صدر مسلم لیگ کی شادی کے حوالہ سے ایک شعر پڑھ کر ان کی نظریاتی و اعتقادی حیثیت کو چیلنج کیا۔ یہ شعر مولانا کے ذاتی خیالات کا ترجمان تھا۔ مجلس احرار کے سنجیدہ بزرگوں نے اس کو پسند نہ کیا لیکن حیرت اس پر تھی کہ جسٹس منیر اس قضیہ کو لے کر بیٹھ گئے اور اس شعر کی بحث چھیڑ دی۔ ہرچند مولانا مظہر علی اظہر نے اس معاملہ کو نظرانداز کرنے کی استدعا کی کہ موجودہ انکوائری سے اس کا تعلق نہ تھا لیکن منیر کی بے حد ضد اور اصرار پر مظہر علی نے للکار کر شعر پڑھ ڈالا جس پر منیر نے کہا کہ مولانا ایسی باتوں پر لوگ قتل ہوجاتے ہیں تو مظہر علی نے جواباً کہا "می لارڈ اگر ایسا ہوا تو میرے قتل کی ذمہ داری عدالت مجاز پر ہوگی۔" اس پر جسٹس منیر اضطراب کا شکار ہوگیا اور بانی پاکستان کی ہمشیرہ نے ایک تار کے ذریعہ اپنے بھائی کی بے عزتی کا باعث جسٹس منیر کو قرار دیا جس نے یہ بحث بلاوجہ چھیڑ دی۔ مولانا مظہر علی کی اس جرات رندانہ پر مولانا عبدالقادر رائے پوری ان کے مکان پر انہیں مبارک دینے گئے اور واپسی پر مولانا احمد علی کو بتلایا تو مولانا احمد علی نے مولانا رائے پوری کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے فرض کفایہ ادا کیا۔

1953ء کا سال ہرچند کہ اہل دین اور بہی خواہان ملت کے لئے بظاہر ناکامی کا سال تھا لیکن جو چنگاری تھی وہ بجھ نہ سکی' البتہ راکھ میں دب گئی۔ عمائدین حکومت نے چونکہ ملٹری کا سہارا لیا تھا اس لئے انہیں آئندہ چل کر نہ صرف فوج کے ہاتھوں مسلسل خوار ہونا پڑا بلکہ قادیانیوں کی زیر زمین سازشوں کی سبب ملک کی بربادی کا تماشہ بھی دیکھنا پڑا۔ قادیانی ملک کی تقسیم کو اپنے عقیدہ کے منافی قرار دیتے اس لئے ان کی برابر کوشش رہی کہ پاکستان ایک بار پھر اکھنڈ بھارت کا

حصہ بن جائے۔ مسلم لیگی عمائدین اس راز کو نہ پاسکے وہ احرار و جمعیتہ کے اکابرین کو کوستے رہے اور قادیانیوں کو سینہ سے لگا کر رکھا حتیٰ کہ آغا یحییٰ خان جیسے رسوائے زمانہ بجمی ذوق و مسلک فرد کے زمانہ میں مرزا غلام احمد کے پوتے مرزا احمد (ایم۔ ایم۔ احمد کو ملک میں نمبر 2 کی حیثیت حاصل ہوئی اور یار لوگ مشرقی پاکستان الگ کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ اے کاش حمود کمیشن کی رپورٹ سامنے آجاتی تو یہ عقدہ حل ہوجاتا۔ تاہم یہ ضرور ہوا کہ 1953ء میں جو چنگاری دب گئی تھی وہ پھر بھڑک اٹھی لیکن اب یہ چنگاری بھڑکی تو اب مسلم لیگ کے اہل صلاح و تقویٰ کی حکومت نہ تھی، بھٹو جیسے "بے دین" کا راج تھا۔ ملک بھر کے دینی طبقات، سیاسی جماعتیں اور ارباب دل سید محمد انور شاہ کے علمی جانشین مولانا سید محمد یوسف کی قیادت میں مجتمع ہوگئے۔ بھٹو نے انتہائی زیرکی کے ساتھ اس مسئلہ کو دستوری حوالہ سے حل کرنے کی غرض سے معاملہ پارلیمنٹ کے سپرد کردیا۔ پارلیمنٹ نے قادیانی اور لاہوری ہر دو جماعتوں کے سربراہوں کو کٹہرے میں لاکھڑا کیا اور سب کچھ ان کے منہ سے اگلوایا آخر وہ لوگ اپنے جال میں پھنس گئے اور 7 ستمبر 1974ء کا دن اسلامیان پاکستان کے لئے ہزاروں خوشیوں کا پیغام لے کر طلوع ہوا۔ 1973ء کے اسلامی، جمہوری اور وفاقی آئین کی واحد ترمیم اس طرح سامنے آئی کہ اسے امت کی اجتماعی رائے حاصل تھی۔ اس آئینی ترمیم نے قادیانیوں کو دیوار کے پیچھے دھکیل دیا اگر 1953ء کی تحریک سے ان کا معاملہ تحریک سے گھٹ کر ایک گروہ کی شکل اختیار کر چکا تھا، تو اب ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ ربوہ جس کے میناروں سے صدائے لاالہ بلند نہ ہوتی جہاں کا سٹیشن، ڈاک خانہ، کالج اور سکول اور سب کچھ قادیانیوں کے رحم و کرم پر تھا، اب اس کے چاروں طرف اس کے وسط میں محمد عربی کی ختم نبوت کی منادی ہونے لگی۔ افسوس یہ ہے کہ 1974ء میں ایک مرکزی وزیر کی سرپرستی میں مجلس عمل کے اکابر بالخصوص مولانا بنوری کے خلاف جو لوگ اشتہار بازی [illegible] تحریک کے ہیرو بننے کی کوشش

کر رہے ہیں جس کی سب سے بھونڈی مثال وہ انٹرویو ہے جو لاہور کے ایک اخبار میں پچھلے دنوں شائع ہوا۔ شاہی مسجد کے خطیب محترم کے اس انٹرویو میں بتلایا گیا کہ انہوں نے مرحوم شاہ فیصل سے رابطہ کیا، انہوں نے بھٹو صاحب سے کہا اور بھٹو صاحب نے آئین میں ترمیم کروی۔ مرحوم شاہ فیصل کی زندگی کے آخری ایام واقعی بڑی خوبصورت تھے لیکن ان کی ابتداء ایک وفادار امریکی حاکم کی تھی جس کا اقتدار اپنے حقیقی بھائی کے بے جان لاشے پر استوار کیا گیا۔ سعود مرحوم سامراج کی سازشوں کا شعور پاکر مصر پہنچے تاکہ مرحوم صدر ناصر سے دوستی استوار ہوسکے لیکن مرحوم سعود کو واپسی نصیب نہ ہوئی اور فیصل نے تخت سنبھال لیا، فیصل اچھے تھے لیکن

وہ ربوہ جس کے میناروں
سے صدائے لاالہ بلند نہ ہوتی
جہاں کا سٹیشن، ڈاکخانہ
کالج اور سکول وغیرہ
قادیانیوں کے رحم وکرم پر تھا
اب اس کے چاروں طرف
محمد عربی کی ختم نبوت
کی منادی ہونے لگی

ان کے اپنے ملک کا نظام نہ کل اسلامی تھا نہ آج ہے، وہاں ملوکیت ہے، وسائل رزق پر ایک خانہ ان کی اجارہ داری ہے اور وہ بہت کچھ ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں لیکن حیرت ہے کہ خطیب شاہی مسجد، شاہی انداز کی غلط بیانی سے کام لے کر باور کراتے ہیں کہ فیصل مرحوم نے ان سے کہا کہ بھٹو سے اسلامی نظام نافذ کرا دو میں سالوں کا پاکستانی بجٹ دے دوں گا اور یہ کہ میرے کہنے پر انہوں نے بھٹو کو 74ء کی آئینی ترمیم کی راہ پر ڈالا۔

قادیانیت کے متعلق عرب دنیا کا پڑھا لکھا طبقہ چودھری ظفراللہ کی بے راہ روی سے آگاہ ہوا تو پھر حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے حکم سے مولانا

ابوالحسن ندوی کی کتاب نے سارا معاملہ صاف کر دیا اور لطف یہ کہ سب سے پہلے مصر و شام میں اس تحریک پر قدغن لگی اور 1974ء کی تحریک کے ہیرو مولانا بنوری کا مخصی احترام مصر، سعودیہ اور جملہ عرب ممالک میں تھا' لوگ ان کے علم کے پرستار اور ان کی دینی غیرت کے معترف تھے۔ شاہ فیصل مولانا کا حد درجہ احترام کرتے اور مولانا مرحوم فیصل سے ملے بھی لیکن خطیب شاہی مسجد جنہوں نے سربراہی کانفرنس کے موقعہ پر مخفی اشارہ سے "کنزالعمال" کی حدیث کا ایک ٹکڑا لے لیا اور جو 1974ء میں مولانا بنوری کے خلاف اشتہاری مہم میں کلیدی ادا کرتے رہے آج فیصل' بھٹو اور بنوری سب کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ باور کرا رہے ہیں کہ یہ سب ان کے دم قدم سے ہوا' جیسے وہ باور کراتے ہیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے فلاں فلاں عالم کو تربیت کے لئے ان کے سپرد کیا حالانکہ وہ خود محض چند دن شاہ جی کے بڑے فرزند کے مدرسہ میں طالب علم رہے۔ خطیب بادشاہی مسجد نے روسی حکمرانوں کو کیا کہا اور دنیا کے دوسرے ممالک کے حکمرانوں سے ان کے کتنے مراسم ہیں' ہمیں اس سے غرض نہیں لیکن ہم یہ ضرور درخواست کریں گے کہ وہ ان مقدس تحریکوں کے متعلق غلط تاثر پیدا نہ کریں اور اس ملک کی دینی' علمی اور ملی تاریخ کو گدلا نہ کریں' وہ عالمی مبلغ سہی' وہ چار چھوڑ چار سو روحانی سلسلوں کے شیخ سہی' وہ پی۔ایچ۔ڈی سہی' وہ بہت کچھ سہی لیکن وہ یہ مان لیں کہ اس ملک کی دینی و علمی تحریکوں میں ان کا مثبت رول کوئی نہیں' ہاں اہل تحقیق جائزہ لیں گے تو منفی رول ضرور نظر آجائے گا' ہم اس کی تفصیل عرض کر کے ان کے عتاب کا شکار نہیں ہونا چاہتے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ضیاء الحق مرحوم کے نظریاتی وارثوں سے ان کے گہرے مراسم ہیں اور وہ ہم جیسے خاک افتادگاں کے لئے کوئی نازک سے نازک فیصلہ کرا سکتے ہیں' لیکن ہماری یہ گزارش ناجائز تو نہیں کہ وہ باتیں نہ کہی جائیں جن میں ان کا حصہ نہیں۔۔۔۔ ہم سب نے کل صبح قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے' آج کا کوئی عہدہ' کوئی منصب' سرکار سے حاصل کردہ پلاٹ' مراعات اور کچھ بھی وہاں کام نہ آئے گا اس لئے سچ ہی لازم ہے کہ اسی سے نجات وابستہ ہے۔

بشکریہ ہفت روزہ چٹان - لاہور

تحریک آزادی کے نامور رہنما اور صاحب طرز ادیب مفکر احرار چودھری افضل حق کی خود نوشت سوانح

میرا افسانہ

چالیس برس بعد دوبارہ شائع ہوگئی ہے

○ میرا افسانہ ○ ایک عہد اور ایک زمانے کی سوانح ○ آزادی کے مجاہدوں کا تذکرہ

کمپیوٹر کتابت / اعلیٰ طباعت / خوبصورت جلد صفحات ۲۰۸ قیمت ۱۱۰ روپے

جمہوریت

زر پرستوں کے لیے جنگ برتری جمہوریت
کثرت و قلت کی ہے بازی گری جمہوریت
"دیو استبداد جمہودی قبا میں پائے کوب"
ظلم و استبداد کی نیلم پری جمہوریت
دین کے ہے بالمقابل اس کا جمہوری نظام
ہے فساد خلق کی غارت گری جمہوریت
جس نے ہے بھٹکایا راہ راست سے انسان کو
بت کدے میں دہر کے وہ "سامری" جمہوریت
جس کی عریانی کا چرچا شہر میں ہر گاؤں میں
ہے صنم کی اک ادائے کافری جمہوریت
شیخ و پنڈت ہوگئے ہیں اسکی زلفوں کے اسیر
ایک چشم نیم وا کی ساحری جمہوریت
جس میں ملتا ہی نہیں ہے حکمرانوں کا سراغ
قہر میں ڈوبی ہوئی ہے قاہری جمہوریت
اس کے دامن میں نہیں ہے خیر کا پہلو کوئی
آدمی پر آدمی کی برتری جمہوریت
اہل عالم کو لڑایا قومیت کے نام پر
دہر میں ابلیس کی فتنہ گری جمہوریت
جس کی ہر اک بات کا معیار دولت کی جھنک
اہل ثروت کی ہے دریوزہ گری جمہوریت
چاپلوسی اور خوشامد جس کے ہیں زریں اصول
آستان کذب کی ہے چاکری جمہوریت
چند برسوں میں بدل لیتی ہے جو خصم کہن

خانہ زاد افرنگ کی وہ چھوکری جمہوریت
جس کی دنیا میں نہیں ہے حق و باطل کی تمیز
گود میں افرنگ کی ہے نازوں ، بھری جمہوریت
جیب میں ہو سیم و زر تو ہاتھ آتی ہے فقط
عہد حاضر کی انوکھی سروری جمہوریت
جلب زر کے مابہوا جس کو نظر آتا نہیں
حرص زر کے واسطے فتنہ گری جمہوریت
جس طرح اشتراکیت کی موت سرزد ہو گئی
اپنے ہاتھوں سے مری یہ بس مری جمہوریت
بات کر حق کی سدا حالات ہیں گو مختلف
گمرہی کی ہے یہ حدّ آخری جمہوریت
دامن یزداں سے جس کا دور کا رشتہ نہیں
بندۂ پرکار کی ہے رہبری جمہوریت
جھوٹ ہے ہر بات جسکی، جس کے سب دعوے غلط
دورِ حاضر میں نوائے قیصری جمہوریت
کس قدر بربادیاں اس کے جلو میں جلوہ گر
ہاتھ میں "نیرو" کے ہے یہ بانسری جمہوریت
یہ کھلی سازش ہے اک دینِ محمد کے خلاف
دانش افرنگ کی جادو گری جمہوریت
اک عذابِ جان ہے محنت کشوں کے واسطے
اہل زر کے واسطے "رحمت بھری" جمہوریت
نیک و بد کے ساتھ جسکا ایک جیسا ہے سلوک
اہر من کے ہاتھ کی بازی گری جمہوریت
فتنہ ہائے عہد حاضر اس کے قدموں سے اٹھے
رہ روی کے نام پر بے رہروی جمہوریت
خالد و اقبال دونوں متفق اس بات پر
زر پرستوں کی ہے جنگ زر گری جمہوریت

کس طرح چھنکے مری سروس کی پائل دوستو

ہو سکا وہ مُرتشی ہم سے نہ قائل دوستو
گم ہی کر ڈالی ہماری اس نے فائل دوستو
جیب بھی خالی ہے اپنی اور سفارش بھی نہیں
کس طرح چھنکے مری سروس کی پائل دوستو
کس طرح میں افسرِ اعلیٰ سے جا کر مل سکوں
راہ میں ہیں سینکڑوں کہسار حائل دوستو
بعد میں لیتے ہیں اب ڈاکو تلاشی جیب کی
پہلے خنجر مار کر کرتے ہیں گھائل دوستو
اپنے ووٹوں سے ملا ہے جن کو یہ اعلیٰ مقام
اُن کے در پر ہم کھڑے ہیں بن کے سائل دوستو
پھر اسی حلقے میں شائد وہ لڑیں گے انتخاب
ہو رہے ہیں رفتہ رفتہ پھر وہ مائل دوستو
ہے رہِ انصاف میں حائل وکیلوں کا وجود
کہہ رہا ہوں سن کے میں جھوٹے دلائل دوستو
آج بھی اس پان سے کرتا ہوں میں اتنا ہی پیار
دانت کر ڈالے ہیں گو میرے "سپائل" دوستو
مار ڈالا کثرتِ اولاد نے تائب اسے
دے گیا ہم کو وہ اپنے بھی مسائل دوستو

پروفیسر محمد اکرام تائب
عارف والا

خطاب: سید عطاء المحسن بخاری
ناقل: مہدی معاویہ

کمیونٹی ہال گلاسگو (برطانیہ)
۱۶ نومبر ۸۵ء

اسلام اور جمہوریت

الحمد للہ و کفیٰ والصلوۃ و السلام علیٰ خاتم الانبیاء ۔ و علیٰ آلہ و ازواجہ و اصحابہ الاتقیاء الاصفیاء ۔ الذین ھم خلاصتہ العرب العرباء و خیر الخلائق بعد الانبیاء ۔ و ھم کالنجوم فی السماء للا ھتداء والاقتداء ۔ و ھم مفاتیح الرحمتہ و مصابیح الغرر۔

اعوذ باللہ من الشطین الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قل من رب السموات والارض، قل اللہ! قل افاتخذ تم من دونہ اولیاء! قل اللہ خالق کل شی ، وھواالواحد القہار صدق اللہ العظیم

صدر محترم: بزرگان گرامی، برادران عزیز! اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے کہ آپ ہم بے نواؤں، فقیروں کی مختصر سی آواز پر یہاں تشریف لائے۔ آپ کا آنا مبارک! آپ کو یہاں آنے کی جو تکلیف دی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ کرے کہ میں اس مقصد میں کامیاب ہو سکوں۔

سب سے پہلے میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں کہ (DEMOCRACY) جسکا ہم نے اردو میں ترجمہ کیا ہے جمہوریت، اور عربوں نے ترجمہ کیا، ("مقراطیہ") جو اپنی اصل کے زیادہ قریب ہے۔ لفظ جمہوریت کو DEMOCRACY کا ترجمہ قرار دیکر شعوری طور پر اصطلاحی غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ ڈیمو کریسی کی تاریخ کیا ہے؟ اسکا بانی کون ہے۔ کس سرزمین سے ہمیں یہ بے بہار پھل ملا؟ یہ سوالات سیاسیات کے ایک عام طالب علم کے ذہن میں اُبھرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ سو ستر سال پہلے یونان میں افلاطون نامی ایک ایسے شخص نے نظام ریاست کے طور پر اس کی تدوین کی جو خالق کائنات، اللہ کو نہیں مانتا بلکہ عقول عشرہ (دس عقلوں) کو مانتا ہے۔ اور ان دس عقلوں میں سے عقل اول کو مدبر الامور کہتا ہے۔ یعنی عقل اول تدبیر کائنات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے باقی تمام معاملات میں نو عقلوں کو دخل ہے۔

مختصراً اس دور کے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور سابقہ دور میں فقہی بنیاد پر صحیح اصولی اختلاف رکھنے والے ہمارے اسلاف حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی اور دیگر امت کے تمام طبقات جو مذہبی حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں علم اور دیانت کی بنیاد پر سب اس بات پر متفق ہیں کہ افلاطون ایک مشرک تھا۔ جو اللہ رب العزت کو خالق کائنات نہیں مانتا تھا۔ بلکہ خالق کائنات عقلوں کو کہتا تھا۔ اور باقی نو عقل اوّل کو کائنات کے امور کی تدبیر کیلئے تسلیم کرتا تھا۔

پھر اس کے بعد زمانہ گزرتا گیا۔ مسٹر آبراہم لنکن قائد تثلیث، جو ایک میں تین، تین میں ایک کے فلسفۂ عشر بود اور اسکی بنیاد پر اپنا تشخص، اپنا وجود اور اپنی ملت کی عمارت قائم کرنے والا لوگوں کا سربراہ تھا۔ اس نے اس میں ترمیم کی کہ "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام پر"

(GOVERNMENT OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE)

اور آج جہاں آپ لوگ تشریف فرما ہیں اور میں بھی مسافر کی حیثیت سے اپنی سی صورت لئے آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ اس دیس کے حکمرانوں نے ۱۲۲۸ء سے آج تک ۸۰۰ سو برس کی کمائی سے اس نظریہ کو موجودہ وضع قطع (SHAPE) بخشی۔ جسے آج سے ایک سو برس پیشتر "لارڈ کرزن" نامی مشرکِ اعظم اور ہمارے قاتل نے ہندوستان میں متعارف (INTRODUCE) کرایا اور سب سے پہلے اس دنیا میں تعارف اگر ہوا ہے تو وہ سرزمین ہند ہے۔ مکہ، مدینہ، طائف، نجران اور اس کے بعد خلفائے راشدین، خلفاء بنو امیہ، خلفائے بنو عباس، فاطمیین مصر وغیرہ وغیرہ، تمام تر اختلافات اور تضادات کے باوجود کسی بھی عہد میں، مسلمانوں کی کسی بھی سلطنت میں، مسلمانوں کے نظام ریاست کے ہوتے ہوئے (وہ جیسا کیسا تھا یہ بحث الگ ہے) جمہوریت نام کی کوئی چیز متعارف نہیں ہوئی یہ اس کی مختصر تاریخ ہے۔

مجھ سے زیادہ جاننے والے لوگ یہاں موجود ہوں گے۔ میں ایک طالب علم ہوں۔ کوئی آفاقی شخصیت بن کے نہیں آیا، دین کا ایک نوکر، اللہ کے دین، کا ایک چاکر، بے وسائل و کم ہمت آدمی ہوں۔ اپنی سی حیثیت سے آپ کی خدمت میں اپنی بات کہنے حاضر ہوا ہوں۔ ساغر صدیقی کا شعر یاد آ گیا۔

میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

یہ ایک دستک ہے ہلکی پھلکی سی، قبول ہو تو سبحان اللہ، رد کر دیں تو الحمدللہ۔

ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پرواہ

ستائش اور تنقید دونوں سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو خود اختیاری طور پر اللہ کے سپرد کرنے والا آدمی ہی دین کا کام کر سکتا ہے۔

میں ایک طالب علم کی حیثیت سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ ڈیموکریسی کے چار بنیادی اصول ہیں۔ اس کے ماسوا کچھ نہیں مختصراً یہ کہ

(۱) عوام سرچشمۂ اقتدار ہیں۔

(۲) ہر آدمی کا ایک ووٹ ہے۔

(۳) کچھ لو اور کچھ دو۔

(۴) اکثریت جو کہے وہ حکومت مانے (پاک پلید، بہتر بد تر، صحیح غلط، جائز ناجائز کی کوئی تمیز نہیں)

اب آیئے دیکھئے اسلام کیا کہتا ہے؟

(۱) پہلی بات کہ سرچشمۂ اقتدار عوام ہیں یا کوئی اور۔۔۔۔؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس برس کی نورانی زندگی، سیرت طیبہ و مقدسہ، اس کی ساری کدو کاوش، ساری محنت، ساری جاں سپاری، وقت، توانائیاں، (ENERGIES) سب اسی ایک راستے میں کھپا دیں کہ۔

O ان الحکم الا للہ امران لا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

حکومت نہیں ہے کسی کی۔ سوائے اللہ کے۔ اس نے فرمایا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف۔ ۴۰)

O ذالک الدین القیم فلا تظلموا فیھن انفسکم و قاتلوا المشرکین کافۃً کما یقاتلو انکم کافۃ O واعلموا ان اللہ مع المتقین:

یہی ہے سیدھا دین۔ سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں اور جان لو اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے (التوبہ۔ ۳۵)

حکم، حاکمیت، اقتدار کی قوت اور اس کا استحقاق نہیں ہے مگر اللہ کیلئے۔۔۔

فالحکم للہ العلی الکبیر

حق حاکمیت صرف اللہ کیلئے ہے۔

لا الہ الا اللہ کا معنی اور مفہوم بھی یہی ہے۔ اور

الا لہ الخلق والامر۔۔۔۔۔۔

خبردار مخلوق بھی اسی کی، حکم بھی اسی کا، مقتدر اعلیٰ اور سر چشمۂ اقتدار بھی اللہ ہی ہے۔ جسے آج کی اصطلاح میں (SOVEREIGN) کہا جاتا ہے۔ اسلام اور ڈیموکریسی کا پہلا تضاد یہی ہے کہ اسلام اللہ کو مقتدر اعلیٰ کہتا ہے اور سر چشمۂ اقتدار بھی اسی کی ذات کو کہتا ہے۔ جبکہ ڈیموکریسی میں سر چشمۂ اقتدار عوام ہیں اور یہ شرک ہے۔

اعبدونی۔۔۔۔۔۔۔ اب عبادت کا مطلب صرف سجدہ ریزی ہی نہیں۔ خلوت کدہ میں بیٹھ کر تسبیح کے دانوں پہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ لینا، محض یہ بات کافی نہیں بلکہ زندگی کے تمام امور میں آپکو اپنی مرضی ختم کرنا ہے۔ اور اسکی مرضی کو قبول کرنا ہے۔ یہ عبادت ہے۔۔۔۔

امران لا تعبدوا الایاہ

اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔

ذلک الدین القیم

یہی دین حق، دین صحیح اور دین قیم ہے۔

ولکن اکثرالناس لا یعلمون

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت میں جہاں اللہ کے سر چشمۂ اقتدار ہونے کا تصور ہے وہیں چوتھی بات اکثریت کی تردید بھی ہے۔

اکثر الناس لا یعلمون

اس حقیقت عظمیٰ کو اکثر انسان نہیں جانتے۔

سارے قرآن کو پڑھ جائیے اللہ آپکو توفیق دے اور ہم لوگوں کو آپ کی خدمت کی توفیق دے کہ ہم آپکو کتاب مجید سمجھا سکیں بطور استاد کے نہ سہی بطور خادم کے سہی۔۔۔۔ زہے نصیب خدا وہ دن تو کرے۔

اکثر الناس لا یعلمون اکثر الناس لا یشکرون اکثرالناس لا یومنون۔۔۔ اکثر هم لا یعقلون

یہ قرآن کہتا ہے۔ ہم مولوی لوگ نہیں کہتے۔ کہ اکثریت بے عقل ہے۔ بے علم ہے اکثریت بے ایمان ہے۔ اکثریت ناشکری ہے۔

آپکو تکلیف تو ہو گی۔ مگر غور فرمائیں کہ چار ارب اور کچھ کروڑ کی آبادی میں کتنے لوگ عالم ہیں اور کتنے ایماندار ہیں؟۔ اور پھر ایک ارب کچھ کروڑ مسلمانوں میں کتنے عالم ہیں، کتنے شکر گزار ہیں۔ کتنے مومنین کاملین ہیں۔ بات پھیل نہ جائے جمہوریت کا تیسرا اصول، کچھ لیجئے اور کچھ دیجئے ہے۔ اسلام کچھ لینے اور دینے کا قائل ہی نہیں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکاتیب گرامی، رؤساء وامراء کے نام اور عرب کے اڑوس پڑوس میں قائم دیرینہ حکومتوں کے سربراہوں کو لکھے۔ ان میں تین باتیں ہیں (۱) اسلام قبول کر لو سلامتی پاؤ گے۔ (۲) وگرنہ ہمیں سپر پاور تسلیم کر لو اور جزیہ ادا کرو (۳) نہیں تو تلوار لے آؤ میدان میں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائیگا۔ میں بڑے ادب سے پوچھتا ہوں کہ ان تین باتوں میں جمہوریت کی کونسی بات تھی؟۔۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔ ایک بے نوا اور وسائل کے اعتبار سے روما، فارس، یونان، مصر کے مقابلہ میں نہتی ذات گرامی۔ وہ شاہان عالم کو اس انداز میں مخاطب ہو اور یوں حکم فرمائے "اسلام قبول کر لو اگر سلامتی چاہتے ہو، اور سلامتی چاہتے ہو تو ہماری اطاعت قبول کرو۔ اور اگر تم سلامتی نہیں چاہتے۔ تو تلوار کھول کے میدان میں آجاؤ۔

چوتھی بات۔ ایک آدمی کا ایک ووٹ۔۔۔۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں تنہائی کی زندگی کو کتابوں میں پڑھا کہ یکہ و تنہا۔ دس بچے اور انکی اولاد، پھوپھیاں اور انکی اولاد، ننھیال، ددھیال سب موجود مگر سرور دو عالم فخر عالم شفیع المذنبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکہ و تنہا پورے مکہ میں، طائف، نجران میں اللہ کی احدیت وصمدیت کا اقرار کرانے کیلئے سرد جنگ فرماتے ہیں۔۔۔۔ تب کتنے ووٹ تھے حضور ﷺ کیساتھ۔۔۔۔؟ کیا وہ آدمی نہیں تھے۔؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے ابوجہل جسکا لقب "ابوالحکم"۔ دانش ور، حکمتوں والا، دانائیوں والا، پیکر حکمت و دانش، صاحب شعور، لیکن اسکے ضمیر و خمیر میں دبی ہوئی جہالت کی چنگاری کی وجہ سے، جو شعلۂ جوالہ بن کر نکلی۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو جہالت والا کہا کہ اصل جہالت والا یہ ہے۔ جو اس علاقے میں اپنی جہالت کی تاریکی سامنے لا کر دین کے نور کو پھیلنے سے روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی رائے کو کوئی وقعت نہیں دی۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے بھی اس کی رائے کو کوئی وقعت نہیں دی۔ بچوں میں سیدنا علی نے اسلام قبول کیا تو اس کی رائے کو کوئی وقعت نہیں دی، خواتین میں سیدہ

خدیجۃ الکبریٰ صلوات اللہ علیہا نے اسلام کی دوات سے اپنے دامن کو مالا مال کیا تو انہوں نے بھی اس کی رائے کو کوئی وقعت نہیں دی۔ یہ تینتالیس پینتالیس اصحاب ہوئے تو مکہ سے ہجرت کا حکم ہو گیا حبشہ گئے مدینہ کی طرف گئے لیکن کسی کافر، کسی وڈیرے، کسی سردار، یا اپنے اصحاب کا ووٹ کی بنیاد پر کسی بیرونی دباؤ کے ماتحت کوئی ووٹ کی پاور، اکثریت اور قلت کی بنیاد پر کسی قسم کا کوئی دباؤ قبول فرمایا۔۔۔؟ کسی لمحے بھی اصولوں پر سودے بازی (BARGAINING) ہوئی؟ ابولہب نے تنگ آ کر وہ خوبصورت چکمہ دیا کہ دولت، عورت، حکومت تینوں چیزیں لے لو مگر لا الہ الا اللہ کہنا چھوڑ دو۔ عصر حاضر کی جمہوریت سے زیادہ خوبصورت جمہوریت وہاں موجود تھی مگر نبی علیہ السلام نے لا الہ اللہ کے مقابلے میں تمام پیشکشیں ٹھکرا دیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ کے لوگ ان پڑھ تھے یہ روشنی کا دور ہے الٹامک انرجی کا دور ہے وہ لوگ معاذ اللہ گدھے تھے۔۔۔۔۔۔؟ ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جمہوریت کا عظیم اصول آزمایا اور طشتری میں سجا کے اقتدار پیش کیا کہ جناب یہ لے لیجئے۔ آپ جوان عورت قبول کیجئے آپکو دولت و سرمائے کی ضرورت ہے تو لے لیجئے۔ جس آدمی کو اقتدار مل جائے، دولت مل جائے۔ اور اگر عورت مل گئی تو گویا اسکا پورا قبیلہ مل گیا۔ اس زمانے کے رواج، سماجی اصول اور ضابطے کے تحت جو عورت کسی کے ہاں بیاہی جاتی تھی اسکا پورا قبیلہ دست و بازو اور نگہبان و مددگار بن جایا کرتا تھا۔ مگر نبی علیہ السلام کو اتنی طاقتیں بیک وقت مل رہی تھیں۔ جمہوری نقطۂ نظر (DEMOCRATIC POINT OF VIEW) کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا سنہری چانس مل رہا تھا کہ اقتدار قبضے میں ہو اپنے قبیلہ کے کچھ لوگ مسلمان ہیں کچھ ساتھی اور ہمراہ ہیں ایک قبیلہ اور مل جائے تو فوج بنتی ہے۔ طاقت بڑھتی ہے۔ جمہوریت کیلئے وقتی طور پر (FOR THE TIME BEING) کیسا خوبصورت لفظ ہے۔ مگر اسکا پس منظر خوفناک اور زہر ناک ہے۔ اور پنجاب میں لوگ ہمیں کہتے ہیں "مولوی جی ہتھ ہولا رکھو موسم ٹھیک نئیں ہیگا" مولوی جی، ہاتھ ہلکا رکھیں موسم ٹھیک نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے "مولانا وقت کا تقاضا ہے، نظریۂ ضرورت ہے" مگر میں چیلنج کرتا ہوں کہ اسلام میں نظریۂ ضرورت کی کوئی گنجائش نہیں اگر نظریۂ ضرورت کی گنجائش ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پیشکش سے بھرپور فائدہ اٹھاتے۔ اور مشرکین مکہ کی جمہوری اکثریت کو وقتی طور پر ساتھ ملا کر اقتدار حاصل کر لیتے۔ چونکہ نبی علیہ السلام کی جنت محض ذاتی اقتدار کی جنگ نہیں تھی بلکہ دین اسلام کے کامل غلبہ و تسلط کی تھی اس لئے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور آپ نے فرمادیا کہ یا تو میں اس راستے میں مر جاؤں گا یا اللہ کی حاکمیت کا آفتاب طلوع ہو کر رہیگا۔ اپنی حاکمیت کا نہیں فرمایا۔ تاریخ و سیرت کی پوری کتابیں پڑھ جائیے۔ البدایہ طبری، ابن خلکان، ابن سعد وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ یہ نہیں ملیگا۔ جتنا یہ انبار ہے کتب قدیمہ کا کھنگال ڈالئیے کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میں اپنی حاکمیت قائم کروں گا۔ یا مر جاؤں گا۔ فرمایا یا میں مر جاؤں گا یا اللہ کی حاکمیت کا آفتاب طلوع ہو کر رہیگا۔ تاریخ اور تقابل۔۔۔ دو باتیں واضح ہو گئیں۔

تیسری بات۔۔۔ "ہم اور ہمارا دور"۔۔۔۔ ہم ملالوگ ۱۸۵۷ء سے پہلے اے کلاس میں ہوتے تھے۔ ہم سی ایس پی (C S P) کلاس میں تھے۔ انگریز آیا ہم نے مزاحمت کی۔ ہم نے سیلوٹ نہیں کیا۔ اور اس جرم ایک دن

میں پندرہ پندرہ سو مولوی قتل ہوئے۔ کئی کئی دن اور مہینے درختوں کیساتھ علماء کی لاشیں لٹکتی رہیں۔ جو لوگ موقع پرست تھے انہوں نے مصالحت کی۔ جاگیریں لیں۔ ہزار، ہزار مربع دو دو ہزار مربعے وصول کئے۔ غلام احمد کادیانی کا خاندان ہو، سادات کرام ہوں، گوجر ہوں، جاٹ ہوں، ہندو ہوں، سکھ ہوں یا پیران عظام، ان طبقات میں سے کچھ مولوی بھی اس دور کے جو استقامت سے عاری تھے نہ ٹھہر سکے، جو آندھیوں کے سامنے انیس کا چراغ لے کے نہ جا سکے۔

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں ہوا کے سامنے چلے

اس کی نصیحت پر جس نے عمل کیا ٹھہر گیا، کہ آندھی چلی جائے پھر چراغ لے کے باہر نکلیں گے۔ اور جنہوں نے انیس کی نصیحت پر عمل نہیں کیا وہ اپنا چراغ اور خود دونوں موت سے ہمکنار ہوئے۔ اپنی شکلیں تبدیل کرتے کرتے مراحل تبدیل کرتے کرتے مفاہمت پسند مولوی جبراً ڈٹی کلاس کر دیا گیا۔ مولوی گاؤں کا ساتواں کمی اور مولوی نفرت کی علامت (SYMBOL) بن گیا۔ مولوی من حیث المولوی قطع نظر اس سے کہ چند افراد کیساتھ لوگوں نے والہانہ محبت کی۔ لیکن مولوی کو ایک کمیونٹی قرار دیکر اس سرزمین کے مالک اور اس سرزمین کے سیاسی دیوتا (POLITICAL DEM) نے جس طرح یہاں (برطانیہ) تجربہ کیا کہ پادری کو کلیسا میں بھیج دیا اور پارلیمنٹ پر خود قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ بالکل اسی طرح انگریز سامراج کے دور کے تربیت یافتہ لوگوں (کالے انگریز) نے ہمارے ہاں مولوی کو مسجد میں بھیج دیا اور خود پارلیمنٹ میں سجے سجائے اور پکے پکائے پکوان پر آدھمکے۔ یہ ایک تاریخی حادثہ ہے۔ اور اس کے ساتھ افسوس ناک حادثہ یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے (میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتا) دانستہ یا نادانستہ، جان بوجھ کر یا بھولپن میں دین کی تعلیم سے ایسا منہ موڑا کہ کہ خود دین سے بے بہرہ ہو گئے۔ اور اس خلا کو پُر کرنے کیلئے دین اور مولوی کو لازم و ملزوم قرار دے دیا۔ سارا دین مولوی کے سپرد کر دیا مگر اس کے وجود کو سماج میں مسترد کر دیا۔ اس کی لیبوکیشن کو اس کے کلچر اور سولائزیشن کو بھی مسترد کر دیا یہ ایسا بڑا حادثہ ہے، ایسا خوفناک حادثہ ہے کہ اب بظاہر واپسی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اللہ رب العزت مسبب الاسباب ہیں کوئی سبب پیدا فرما دیں تو اس کو قدرت حاصل ہے وہ سب سے بڑا مالک ہے۔ بہت بڑا با اختیار ہے۔

"اللہ خالق کل شی ، وھو علیٰ کلی شی ، وکیل"

ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اور ہر چیز کا کارساز وہ خود ہے۔

"والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیمۃ والسموات مطویت بیمینہ"

کہ زمین و آسمان لپٹے ہوئے اسکی مٹھی میں ہیں۔ اپنی طاقت کا اظہار کرتا ہے۔ خود کو رب العلمین کہتا ہے رب السمٰوات والارض کہتا ہے۔ وہ اگر کوئی سبب نکال دے تو اسکو کیا مشکل ہے۔ لیکن ہم جو ایک فی دس ہزار نہیں ہیں ہماری کیا حیثیت ہے؟۔ نو کروڑ کی آبادی میں ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہمارے پاس ایسے وسائل نہیں ہیں۔ اتنی کوئی طاقت بھی نہیں ہے۔ (MAN POWER) افرادی قوت ہے نہ سرمائے کی طاقت ہے۔ نہ کوئی بیرونی یا اندرونی طاقت ہے۔ جس کے بل بوتے پر ہم کوئی ایسا انقلاب برپا کر سکیں کہ جسکو اسلامی انقلاب کہا جا سکے۔ ایک

ہے آرزو اور خواہش اور اس کیلئے کاوش یہ تو مسلسل ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مختلف پہلوؤں میں، مختلف شکلوں میں مختلف اوضاع میں کام ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ کیونکہ دین کی تبلیغ و اشاعت کو کسی وقت اور کسی کیلئے موقوف نہیں کیا جا سکتا۔ ہر طبقہ ہر شخص اپنے اپنے ڈھب سے کام کر رہا ہے۔ اللہ ان میں سے کسی کو کامیاب کر دے ہم راضی ہیں۔

جو بات میں کہہ رہا تھا پھیل گئی۔ مختصر عرض کرتا ہوں کہ یہ حادثہ ہوا کہ سیاست پر، ثقافت پر، سماجی عناصر کے تمام گوشوں پر وہ طبقہ قابض ہوتا چلا گیا کہ جس نے دین کی تعلیم سے منہ موڑ لیا تھا اور نوبت بایں جا رسید کہ ابا جان کے انتقال پر جنازے کی دعا بھی نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ جناب اقدار (VALUES) ویلیوز، ویلیوز کا ایک شور بپا ہے۔ ویلیوز کیا ہیں؟ ایک قدر اللہ دیتا ہے۔ اور ایک قدر مغربی تہذیب (کافر تہذیب) دیتی ہے۔ ویلیوز یہ بھی ہیں ویلیوز وہ بھی ہیں۔ کافرانہ اقدار کو آپ کے سامنے پیش کرنے والا طبقہ معاشرے میں سربرآوردہ ہے۔ خوشحال اور با اختیار ہے جبکہ اسلامی اقدار پیش کرنے والا طبقہ معاشی اعتبار سے مفلوج اور مفلوک الحال ہے اسے سماج میں کمی کہہ کر اس کی عزت نفس مجروح کی جاتی ہے۔ پھر وہ بے اختیار ہے۔ جس کے دشمن نے بڑے خوبصورت طریقے سے اس کے خلاف نفرت پیدا کر دی ہے۔ کچھ ہماری کمزوریاں اور غلطیاں بھی ہیں۔ حالانکہ مقربین ہماری جماعت کا نام بھی نہیں ہے۔ آپ جیسے ہیں اور سماجی طور پر آپ سے کم درجے کے لوگ ہیں۔ مانتے ہیں کہ ہم میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن کیا ہماری خامیوں پر، ہماری دین کیلئے جو محنت ہے۔ وہ ہماری اُخروی نجات اور دنیا میں کامیابی اور سرخروئی کیلئے کافی نہیں ہے؟ ہم نے آپ سے بھیک مانگی، کشکول گدائی پھیلایا، دامن پھیلایا، دستِ سوال دراز کیا، ہتھیلی آگے کی کہ ہم نے مدرسہ چلانا ہے۔ مسجد بنانی ہے۔ یتیم، مساکین، اس معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کے لوگ وہاں دین پڑھنے آتے ہیں چندہ دیجئے ہماری یہی بات کیا کم ہے کہ ہم بے وسائل ہو کر بھی محض اللہ کی رضا کیلئے ایک محنت کر رہے ہیں۔ اور جس کو مقابلے (COMPITITION) کا شوق ہو وہ سامنے آئے۔ میرا مدرسہ چھوٹا سا ہے صرف اٹھارہ طلباء اس میں ہیں۔ وہ اپنا کاروبار مجھے دے دیں میں چلاتا ہوں۔ میرا مدرسہ وہ لے لیں، تین مہینے وہ مدرسہ چلائیں۔ جس طریقے سے میں بھیک مانگتا ہوں اللہ کے دین کیلئے وہ مانگے اور میں اس کے کاروبار کو ٹنگ لاتا ہوں ایسی بات نہیں کہ ہمارے پاس عقل نہیں، دماغ نہیں، شعور نہیں، دو اور دو چار کا نتیجہ ہم نہیں دے سکتے یقیناً دے سکتے ہیں۔ ہمیں ہمارے اسلاف نے، ہمارے مربیوں نے، ہمارے رہنماؤں نے، ہماری نجات ا راستہ منتخب کر کے اس راستے پر ڈال دیا، یہاں میں ایک بات کہتا جاؤں کہ ۱۹۵۳ء میں میں کچھ باغی سا ہو گیا تھا، میں نے اپنے رشتہ داروں میں دیکھا کہ بڑے خوش لباس خوشحال اور (UP TO DATE) ہیں۔ ہمارے جی میں کچھ مثلی ہوئی، کچھ خفتہ خواہشیں بیدار ہوئیں پر پھڑپھڑائے ہم نے کہا کہ ہم بھی اڑیں ہم اپنے پھوپھا کے پاس لاہور چلے گئے کہ گریجویشن کریں گے (COMPITITION) مقابلے کے امتحان میں بیٹھیں گے مجسٹریٹ بن جائیں گے۔ ابا جیل میں چلے گئے جب رہا ہو کر واپس تشریف لائے تو ابا سے ملنے کا چاؤ مجھے کشاں کشاں ملتان لے آیا۔ والد ماجد نے مجھے ڈانٹا ڈپٹا نہیں، پیار کیا پھر وہ ہمارے ابا تھے کوئی تھانیدار تو نہیں تھے۔ وہ گھر میں آتے تو چمن زار زندگی کھل اٹھتا تھا۔ ایک دن پیار کیا سینے سے لگایا ساتھ سلایا۔ باتیں کرتے کرتے کہنے لگے

"بیٹا۔۔۔۔! میرا جی چاہتا ہے کہ تم دین پڑھ لو۔۔۔۔ دین پڑھ لو۔۔۔ میرے چمڑے کے جوتے پہن لو۔۔۔۔ مگر بیٹا دین پڑھ لو"۔

تب تو جوانی کے نوکیلے ناخن، شباب کی رعنائی، گلگوں قبائی دل میں سمائی ہوئی تھی۔ بات سمجھ میں نہ آئی مگر بپاسِ ادب کی خاطر حکم مان لیا اور دل میں سما لیا۔ اب سمجھ میں آتا ہے جب حالات کو ہم خود دیکھتے ہیں کہ وہی آفت ہم پر ٹوٹی ہے۔

ٹوٹا ہے آج خاکِ وطن پہ وہ کوہ غم
گنگا کا دل اداس ہے پربت کی آنکھ نم

اب سمجھ میں آئی بات کہ کیا حادثہ تھا کہ باپ نے کہا کہ چمڑے کے جوتے پہن لو اور دین پڑھ لو۔ دراصل ہمیں دین کے مرگھٹ پر ذبح کر دیا گیا عصر حاضر کی تمام سماجی، ثقافتی اور تہذیبی فریب کاریوں سے ایک دم کٹ کر دیا۔ ہمیں اس بھٹی میں دھکیل دیا گیا جس میں بجز جلنے کے اور کچھ نہیں۔۔۔ الحمدللہ۔۔۔ اللہ کا شکر ہے ہزار شکر۔۔۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جزائے خیر دے۔ کہ ہمیں دین کے سچے اور صاف راستے پر گامزن کر گئے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ اپنی زندگی میں تبدیلی لائے۔ اور وہ دین جو آپکی اور ہماری مشترکہ وراثت ہے اسکو قبول فرمائیے۔ محض محمد اسلم، محمد شبیر، فقیر محمد وغیرہ ان ناموں کے رکھنے سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک بوتل پر لگے ہوئے لیبل کی روشنی کی طرح بوتل کے اندر بھی وہی کچھ نہ ہو۔ جو اوپر لکھا ہے۔ تبدیلی نہیں آئے گی۔ روح افزا لکھا ہے تو شربت روح افزا ہو روح فرسا نہ ہو۔

بات بہت دور نکل گئی۔ آج کی گفتگو کا مقصد اور محور یہ تھا کہ اسلام جیسے کامل نظام زندگی رکھنے والا مسلمان "جمہوریت کو قبول کرلے گا تو ذلیل و رسوا ہوگا کیونکہ یہ کفار و مشرکین کا نظام ریاست و سیاست ہے۔ اور جس قوم کی زندگی میں بیک وقت دو نظام اکٹھے ہو جائیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتی اور مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل اسلام کو رد کرنے کے مترادف ہے۔

اس مختصر سی گفتگو کے بعد اجازت چاہتا ہوں۔ پھر موقع ملا تو تفصیل کے ساتھ آپ کو حال دل سناؤں گا۔ ان شاء اللہ

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَلِیٍّ۔ رضی اللہ عنہ ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سب الانبیآء؟ قتل ۔! ومن سب اصحابی ؟ جلد ۔!

جو شخص انبیآء علیہم السلام کو بُرا کہے ؟ اُس کو قتل کر دیا جائے! اور جو شخص میرے صحابہ کو گالی بکے ۔ ؟ اُس کی دُرّوں سے پٹائی کی جائے ۔!

ادارہ

مسافرینِ آخرت

× معروف سیاست دان نوابزادہ نصراللہ خان صاحب کی اہلیہ ۲۲- اپریل کو خان گڑھ میں انتقال کر گئیں- وہ گزشتہ کئی ماہ سے شدید علیل تھیں- فالج کا مرض جان لیوا ثابت ہوا- عمر کے آخری حصہ میں نواب صاحب کو ایک بڑا صدمہ پہنچا ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے- اور درجات بلند فرمائے- ہم نواب صاحب کے غم میں شریک ہیں اور انکے تمام خاندان سے اظہار تعزیت کرتے ہیں- دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صبر عطاء فرمائے (آمین-)

× لاہور میں ہمارے دیرینہ کرم فرما محترم میاں محمد اسلم جان صاحب کے برادر نسبتی اور مجلس احرار اسلام لاہور کے جنرل سیکرٹری میاں محمد اویس کے نانا قاری عبدالرشید صاحب گزشتہ ماہ مدینہ منور میں رحلت فرما گئے-

× ادارہ کے مخلص معاون، محترم پروفیسر خالد شبیر احمد صاحب (فیصل آباد) کی چچی صاحبہ ۲۵- اپریل کو چنیوٹ میں انتقال کر گئیں-

× چنیوٹ میں ہمارے قدیم رفقا محترم نذر حسین صاحب اور ملک محمد نواز صاحب یکے بعد دیگرے وفات پا گئے-

× مجلس احرار اسلام ضلع رحیم یار خان کے انتہائی مخلص وفادار اور معاون ساتھی جناب صوفی محمد اسحاق صاحب حافظ محمد اسماعیل اور محمد ادریس صاحب کی والدہ ماجدہ گزشتہ ماہ رحلت فرما گئیں-

× مجلس احرار اسلام دربٹہ، تحصیل تلہ گنگ کے قدیم کارکن حاجی غلام محمد صاحب کو یکے بعد دیگرے صدمات سے دو چار ہونا پڑا- ان کے چچا حافظ نور محمد صاحب، ان کے حقیقی چھوٹے بھائی صوبیدار محمد خان صاحب، ان کے بھتیجے کے لڑکے رحمت اللہ صاحب (متعلم حفظ قرآن کریم) انتقال کر گئے- رحمت اللہ مرحوم بالکل نوجوان تھے اور عید کے روز انتقال ہوا-

× تحریک طلباء اسلام بستی مولویاں کے صدر لیاقت علی سومرو کے دو بھتیجے ایک ہی دن آخرت کو سدھار گئے- دونوں کی عمریں دس اور گیارہ سال کے درمیان تھیں-

× مجلس احرار اسلام ربوہ کے کارکن سجاد صاحب کی کمسن بچی گزشتہ دنوں انتقال کر گئی-

× ادارہ نقیب ختم نبوت کے انتہائی مخلص معاون اور ہمارے قدیم رفیق محترم عبدالکریم قمر صاحب (کمالیہ) کے والد ماجد گزشتہ ماہ انتقال کر گئے-

اراکین ادارہ تمام مرحومین کی مغفرت کے لئے دعا گو ہیں اور لواحقین کے غم میں شریک ہیں- قارئین سے بھی گزارش ہے کہ وہ اپنی خاص دعاؤں میں اپنے ان مخلص رفقاء کی مغفرت کے لئے دعا کا اہتمام کریں- (ادارہ)

دعاء صحت

مجلس احرار اسلام کے انتہائی قدیم اور مخلص و ایثار پیشہ کارکن محترم حکیم محمد صدیق تارڑ صاحب (مریدکے) گزشتہ دو ماہ سے سخت علیل ہیں- ان کی صحت یابی کے لئے قارئین دعاء فرمائیں-

سر ظفر اللہ نے قائد اعظم کو کافر سمجھ کر اُن کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی

(مرزائیوں کے ترجمان ہفت روزہ مہارت (لاہور) کے دجل و تلبیس کا مسکت جواب)

ہفت روزہ "مہارت" کا شمارہ نمبر ۳۱ ج ۲ ہمارے سامنے ہے اس رسالہ کا بنظر غائر مطالعہ کیا اس کے مندرجات کو بڑا جانچا، سوچا، پڑھا اور پرکھا، اس کے لب و لہجہ کی داد دینی پڑتی ہے۔ کہ نہایت مہارت سے رسالہ کے کارپردازوں نے یہ لب و لہجہ اختیار کیا ہے، یہ مہارت اور "مہورت" لکھاریوں کی کامیابی کی علامت ہے۔ رسالہ کا گیٹ اپ بھی مہارت کا غماز ہے۔ مہارت دیکھ کر بے اختیار یہ بات کہنے کو دل چاہتا ہے کہ "الفضل" ربوہ کے زیر سایہ پلنے والے اور ہفت روزہ "لاہور" کا زیرہ چبانے والے لوگ جعلی نبوت چلانے میں تو کامیاب ہو ہی گئے اب خیر سے صحافت ہانکنے میں بھی اتارو ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس دور میں اگر مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم زندہ ہوتے تو وہ بھی ان کی صحافت میں مہارت کی داد دیتے۔

یہ دور نفسیاتی، عصبی، اور سرد جنگ کا زمانہ ہے اور مزید یہ کہ ڈس انفارمیشن، جنگ کی ان قسموں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جنگ میں ہر حربہ استعمال کیا جاسکتا ہے اور ہوتا ہے۔ جدید جنگی چالوں میں "کیموفلاج" کرنا یا ہونا بہت ضروری ہے میں داد دیتا ہوں "مہارت" کے کارندوں کی مہارت کی کہ انہوں نے خوب کیموفلاج ہو کر بڑی مہارت اور چابکدستی سے صحافت و جعلی نبوت کے کاروبار کو چلایا اور قافیہ و ردیف کو ملایا۔ گویا دام ہمرنگ زمیں ہے جو سادہ مسلمانوں کی گرفتاری کو بہت "سہل و ممتنع" بنادیگا۔

شیخ عبدالماجد صاحب نے مضمون نویسی میں اپنے بزرگ مرزا غلام احمد قادیانی کی مکمل اتباع کی ہے مرزا صاحب نے جس طرح اپنے وجود کو پہلے "مریم" کہا پھر خود ہی مریم سے جنم لیا، پھر ایسا جادو جگایا کہ مسیح ابن مریم بن گئے اور پھر ان کے ذہن رسا نے ایسا کمال دکھایا کہ مسیح موعود کی اصطلاح تراشی اور پھر یہ اصطلاح اپنے منصب پر خود فٹ بھی کرلی۔ واہ واہ! مہارت ہو تو ایسی ہو۔ سر ظفر اللہ خان کے قائد اعظم کا جنازہ نہ پڑھنے کی جو توجیہہ شیخ عبدالماجد صاحب نے کی وہ ایسی ہی ایک تاویل ہے۔ اور تاویل کے مرزائی بادشاہ ہیں اس میں انہیں مہارت حاصل ہے کہ انہیں بغیر کسی مداخلت کے فنکار یا اتارو کہا جاسکتا ہے۔

تحریک پاکستان کے رہنما مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزائیوں کے کفر و ارتداد کا فتویٰ تو بہت بعد میں دیا ہوگا۔ مگر غلام احمد قادیانی صاحب تو بہت پہلے تمام مسلمانوں کو جنگلی کا سور قرار دے چکے ہیں جو اخلاق کا بہت اعلیٰ اور عمدہ نمونہ ہے ملاحظہ فرمائیے مرزا صاحب کہتے ہیں۔

ان العدیٰ صارو خنا زیر الغلا
ونساؤ ھم من دونھن الاکلب

ترجمہ۔ تحقیق دشمن سب کے سب جنگل کے سور ہیں اور ان کی عورتیں کتیاں ہیں۔ (نجم الھدیٰ ص ۱۵)

(توبہ توبہ ہزار بار توبہ)

کوئی شریف آدمی یہ زبان اور لب و لہجہ اختیار نہیں کر سکتا مگر یہ اس آدمی کی زبان ہے جو مسیح موعود اور نبی ہونے کا مُدعی ہے جس کے پیرو کار شیخ عبد الماجد اینڈ کمپنی اسے اپنا بزرگ اور نبی تسلیم کرتے ہیں اور اسکے کلام کو وحی الٰہی کہتے ہیں۔ توبہ توبہ!!!

مرزا غلام احمد مزید درفشانی کرتے ہیں۔

جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے (چشمہ معرفت مرزا غلام احمد ص ۳۳۲)

یہ ہے مرزا صاحب کا فتویٰ اور دیا کھیان

اب شیخ عبد الماجد اور دوسرے مہارت والے فرمائیں کہ ظفر اللہ خاں نے قائد اعظم کا جنازہ نہ پڑھ کر کس کی بات مانی ہے؟ غلام احمد کی یا کسی اور کی۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے فتویٰ نے ظفر اللہ کو جنازہ پڑھنے سے روکا یا غلام احمد قادیانی کے الہام بے لگام نے؟

شیخ عبد الماجد نے اپنے مضمون میں سر ظفر اللہ کے عدالتی بیان کے وہ جملے بھی بطور حوالہ نقل کیے ہیں جو انہوں نے جسٹس منیر کی تحقیقاتی عدالت (۱۹۵۴ء) میں اسی سوال کے جواب میں کہے تھے کہ

"نماز جنازہ کے امام مولانا شبیر احمد عثمانی، احمدیوں کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دے چکے تھے۔ اس لئے میں اس جنازہ میں شرکت کرنے کا فیصلہ نہ کر سکا جس کی امامت مولانا کر رہے تھے"

شیخ عبد الماجد کو ظفر اللہ خان کا عدالتی بیان تو یاد رہا مگر وہ جملے عمداً یاد نہ رہے جو ظفر اللہ خان نے ایک صحافی کے اسی سوال کے جواب میں قائد اعظم کی نماز جنازہ کے موقع پر کہے تھے۔

"آپ مجھے کافر سمجھ لیجئے یا نہیں"

یہ عجیب دھوکہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے قادیانیوں پر کفر کے فتویٰ کو جواز بنا کر جنازہ نہ پڑھنے کی دلیل قائم کیجا رہی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قادیانی خود اُمت مُسلمہ سے علیحدہ ہوئے اور قادیانیت کے بانی مرزا غلام احمد نے تاریخ میں پہلی مرتبہ پوری اُمت مُسلمہ کو کافر قرار دیا۔ اور اسے نبی نہ ماننے والوں کو ننگی اور گندی گالیاں دیں۔ خود مرزا صاحب نے اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں کے جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا۔ اس سب کچھ کے باوجود آخر مرزائی اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرنے پر مُصر کیوں ہیں؟ بات سیدھی ہے کہ ظفر اللہ خان نے اپنے عقیدے کے مطابق قائد اعظم کو کافر سمجھ کر ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی۔ اس کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے وجود اور ان کے فتویٰ کو جواز بنانا سراسر دھوکہ، کذب اور حقائق مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ ہمیں جنازہ نہ پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ اس بھونڈی دلیل پر ہے جو اس کے جواز میں تراشی گئی۔ یوں مظلومیت کا ڈھنڈورہ پیٹنے سے نہ تو حقائق چھپائے جا سکتے ہیں اور نہ ہی تاریخ کو جھٹلایا جا سکتا ہے۔

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کُھلا

محمد اسلم شاہ (لندن)

بیرون وطن اشیائے ضرورت خریدتے وقت احتیاط کی ضرورت

آئے دن پاکستانی اخبارات میں یورپ کی سیر اور یورپ کے کھانوں کے متعلق مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں فخریہ طور پر بتایا جاتا ہے کہ یورپ کے کھانوں سے کیسے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ حالانکہ یورپ کے کھانے اور اشیائے خورد و نوش یا ایسی اشیاء جو ہمارے روزمرہ کے استعمال میں آتی ہیں، یا تو ان میں حرام جانوروں کی چربی یا ان جانوروں کی چربی استعمال کی جاتی ہے جو اسلامی طریقے پر ذبح نہیں کئے گئے لہذا ہمارے مسلمان بھائی بہنیں جو یورپین ملکوں کا سفر اختیار کرتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ مشکوک یا وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور پھر نبی اکرم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے استعمال نہ کریں۔

امریکہ یورپ اور جامع لبنان و وزارت عدل امور اسلامیہ و اوقاف متحدہ عرب امارت شارجہ کی تحقیق کے مطابق جن اشیاء میں خنزیر کی چربی یا حرام جانوروں کا جز شامل ہے۔ ذیل میں انہیں بیان کیا جارہا ہے۔

نیو یارک (امریکہ) سے شائع ہونے والے روزنامہ اسلامک ورلڈ نیوز (اخبار عالم اسلامی) میں شائع شدہ ایک خط میں کہا گیا ہے۔ کہ امریکی کمپنی کالگیٹ KOLGATE و پام لیف PALM LEAF کی اکثر مصنوعات میں ایسا روغنی مادہ استعمال ہوتا ہے جو خنزیر کی چربی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ اشیاء یہ ہیں۔

(۱) صابن کیمی (CAMY) (۲) ایوری (EVERY) (۳) لتا (LATA) (۴) ایسٹ (EIST) (۵) سیف گارڈ (SAFE GARD) (۶) سی سوپ (C SOAP) (۷) لیلیٹ (LILIET) (۸) برل کریم (CREAM BRYL) بالوں والی (۹) پسینہ کو بو زائل کرنے والا مادہ وغیرہ۔ بسکٹ اور غذائی اشیاء بھی ہیں جن کی پیکنگ پر اجزائے ترکیبی کے ضمن میں لکھا ہوتا ہے کہ اس میں گیلاٹین شامل ہے۔

(GEALA TINE) یہ مادہ گیلاٹین سور کی چربی سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اسلامک گیدرینگ موومنٹ (حرکتہ التجمع الاسلامی) کے مطابق مندرجہ ذیل اشیاء میں خنزیر سے حاصل کئے گئے روغنیات شامل کئے گئے ہیں۔

(۱) پرنس چاکلیٹ (PRINCE) (۲) کولگیٹ کمپنی کی بنی ہوئی ٹوتھ پیسٹ (TOOTH PASTE) (KOLGATE) کیمی اور لکس (LAX) صابن (۴) امریکی پنیر کرافٹ (KRAFT CHESE) اور کرافٹ کی دیگر مصنوعات (۵) رلاک پنیر (RAMAK CHESE) (۶) لارڈ (LARD) اس کے معنی خنزیر کا روغن ہے جو اس طرح بک رہا ہے جس طرح گھی بکتا ہے اس کے علاوہ یہ روٹی۔ بسکٹ۔ سوئٹس میں استعمال ہوتا ہے اور گوشت کے بند ڈبوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ (۷) شارٹننگ (SHORTENING) اس کا مطلب حیواناتی یا نباتاتی۔ یا دونوں کا ملا جلا روغن ہے۔ اور یورپ کے اکثر ماکولات میں یہ روغن ملایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اور روغنیات میں سستا ہے۔ (۸) پورک (PORK) سؤر کے گوشت کو کہا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ کئی ناموں سے ملتا ہے۔ جن میں سے اہم ترین ہمپشائر (HAMPSHIRE) یا HAM اور بیکن (BACON) سوائن SWAYNE خنزیر کا اپنا نام

ہے ان تمام ناموں سے بکنے والی اشیاء سے بچنا ضروری ہے۔ ایسے ہی اشیاء کی پیکنگ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ حرام مواد پر مشتمل تو نہیں۔ انگلش ڈبل روٹی کے لفافے پر لکھی ہوئی ترکیب اجزا دیکھ لیں کہ اس میں کون سا روغن استعمال کیا گیا ہے۔ اگر نباتاتی روغن یا گھی وغیرہ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر نباتاتی روغن یا گھی ہو تو حلال ہے۔ امریکی نان زیادہ تر خنزیر کے روغن سے تیار ہوتے ہیں۔ اور ان کے پیکٹوں پر مختلف الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ مثلاً

شارٹننگ (LARD SHORTINING) اینمل شارٹننگ (ANIMAL SHORTENING) وغیرہ وغیرہ۔

لوبئیے کے ڈبے پر اگر (BEAN SPORK) لکھا ہو تو سمجھ لیں لوبئیے میں خنزیر کا گوشت بھی شامل ہے۔ لہذا وہ لوبیا BEAN حرام ہے۔ تمام بسکٹ کیک۔ پیسٹریاں اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ تیل یا حرام چربی کے روغن سے استعمال ہوتی ہیں۔ لہذا ان میں خنزیر کے روغن کا غالب امکان ہے جو کہ (LARD SHORTENING) لارڈ شارٹننگ وغیرہ الفاظ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

گاء ایک غذائی مادہ ہے جو حیواناتی کھالوں ہڈیوں اور کُھر سے حاصل کیا جاتا ہے اور امریکہ میں کثرت سے بازار بکنے والے اس مادے سے احتراز ضروری ہے۔

بعض اشیاء خوردنی کے مرکبات میں مندرجہ ذیل حرام اجزا کی ملاوٹ ہوتی ہے۔

(۱) GELATIN کے مرکبات میں حرام جانوروں کی ہڈیوں و چربی کا جز شامل ہوتا ہے۔

(۲) ANIMAL FAT حرام جانور کی چربی۔

(۳) ALCOHOL روح شراب۔

(۴) GLYCEROL حیواناتی اجزاء کی آمیزش۔

(۵) PIG FATE خنزیر کی چربی۔

(۶) گلسّرین GLYCERINE حیواناتی روغن کی آمیزش۔

(۷) BEAF - FATE اس گائے کی چربی جو حرام طریقہ پر ذبح کی گئی۔

(۸) RBNNET جما ہوا دودھ۔ جو شیر خوار بچھڑے کے معدے میں پایا جاتا ہے اور دودھ جمانے یا پنیر بنانے کے کام آتا ہے۔

اسلامی ممالک میں بدیسی مال امپورٹ کرنے والے اداروں پر لازم ہے کہ وہ جن ممالک سے مال امپورٹ کرتے ہیں وہاں کی حکومتوں سے سرکاری طور پر حلال مال کی یقین دہانی حاصل کریں۔

ارشادِ نبوی

علم مومن کا دوست ہے، عقل اس کی دلیل ہے اور عمل اس کی قیمت ہے۔

(تحریک طلباءِ اسلام پاکستان)

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی

قسط ۲

ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار

انگریزوں نے مسلمانوں کی قوت و شوکت کا اندازہ کر کے دو باتوں کو اپنی گرہ میں باندھ لیا تھا:-

۱- کل ہند پیمانے پر تجارتی سرگرمیوں کی وسیع تنظیم و ترتیب ضروری ہے تاکہ برطانوی مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ لیکن اس کے ساتھ خود اس ملک کی تجارتی سرگرمیوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا ضروری ہے۔

۲- اس کا پورا اہتمام کیا جائے اور مظاہرہ بھی کہ انگریزوں کو ہندوستان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی سے کوئی مطلب نہیں تاکہ اس بہانے پورے ملک میں قدم مضبوط کئے جائیں۔ اسی طرح ساحلی علاقوں کو اپنے تصرف میں کر کے باہر سے ایسے جدید ترین اسلحے درآمد کئے جائیں جو مغل فوجوں کے پاس نہیں۔

ان دو اصولوں پر عمل کر کے انگریزوں نے پورے ملک میں اپنے قدم جما لئے انہوں نے نوابوں، صوبائی اور مرکزی حکام کے درمیان غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر کے اس ملک کے شیرازے کو پراگندہ کر کے رکھ دیا۔

(السباعی: تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ جلد ۲ ص ۲۴۸)

انگریزوں سے پہلے پرتگالیوں نے تجارتی کمپنیوں کی اوٹ میں دعوتی جدوجہد شروع کی تھی لیکن انہوں نے اس میں بہت غلطیاں کی تھیں۔ انگریزوں نے پرتگالیوں کی دعوتی جدوجہد اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کا بڑا اہتمام کیا کہ اپنی تجارتی کمپنیوں کو صرف تجارتی مقاصد کے فروغ کے لئے مصروف کر دیا اور عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کی سرگرمیوں سے ان کو دور رکھا۔ ظاہری طور پر تو ان دونوں شعبوں کو الگ الگ رکھا لیکن خفیہ طور پر عیسائی مبلغین کی ان تجارتی کمپنیوں نے بھرپور مدد کی۔ اور اسی کے ساتھ ان مبلغین کو ہدایت کی کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے کمپنی کے مفادات کو نقصان پہنچے یا ہندوستانیوں کو دینی حیثیت سے انگریزوں کے خلاف فتنہ و فساد کا موقع فراہم ہو۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تک اسی پالیسی پر عمل ہوتا رہا۔ لیکن جوں جوں انگریز کمپنیوں کی طاقت اور اثر و نفوذ میں اضافہ ہوتا گیا انگریزوں کی اس پالیسی میں تبدیلی آتی گئی۔ اور عیسائی مبلغین کو بھی آہستہ آہستہ ڈھیل دی جاتی رہی۔ ڈھیل دینے اور پالیسی میں تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پورا ہندوستان انگریزوں کا محکوم ہو گیا۔ اور غلامی میں صرف آزادی ہی سلب نہیں ہوتی بلکہ عقل انسانی بھی اپنی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ اور مذہب کی پاکیزگی غلامی کے گناہوں سے آلودہ ہو کر اپنا دامن داغدار کر لیتی ہے۔ غلام قوم اپنا وقار کھو چکتی ہے۔ حکمران قوم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے اور نسیم سحر گاہی کا ہر جھونکا بادِ سموم بن جاتا ہے۔ اور چمن کا ایک ایک پتا صیاد کا معاون بن کر لالہ و گل کی پتیاں بکھیرنے لگتا ہے۔ اس وجہ سے غلام قوم سے حکمران قوم کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اس لئے انگریزوں نے اب ایسی پالیسیاں تبدیل کر دیں اور یہ ہدایات جاری کی گئیں کہ اب دعوتی جدوجہد ان علاقوں میں انجام دی جائیں جہاں غیر مسلموں کی

آبادی ہے۔ مسلم آبادی میں تبلیغی کام قطعاً نہ کیا جائے کیونکہ مسلمان حکمران قوم سے انگریزوں نے حکومت چھینی تھی۔ لہٰذا انگریز کی سیاسی قوت شامہ مسلمان قوم سے باوجود اس کے محکوم ہونے کے مزاحمت کی بو سونگھ رہی تھی۔

انگریز نے اپنی اس پالیسی کے تحت نہایت خاموشی سے پورے ملک کے اندر گرجا گھر، تعلیمی ادارے، ہسپتال اور شفاء خانے بڑی تعداد میں قائم کر دیئے۔ ۱۷۹۲ء، ۱۷۹۵ء اور ۱۷۹۹ء میں مختلف ناموں سے عیسائیت کی تبلیغ کی انجمنیں قائم کی گئیں۔ اسکے بعد ہی یورپ، امریکہ، جرمنی اور دوسرے یورپی ملکوں سے عیسائی مشنریز نے ہندوستان پر یورش کر دی۔ لیکن ان سب کے سامنے یہ اہم سوال تھا کہ کن لوگوں سے کام کا آغاز کیا جائے۔ آیا عام لوگوں میں تبلیغ کی جائے یا روشن خیال، مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کو عیسائیت کی دعوت دی جائے۔

کئی ماہ تک اس سوال پر غور و خوض ہوتا رہا۔ بہت سے عیسائی دانشور اور مبلغ سر جوڑ کر بیٹھے۔ آخر میں اس بات کا فیصلہ ہوا کہ کم سن بچوں کو خرید کر یا زبردستی اغواء کر کے انہیں عیسائی بنانا زیادہ مفید ہے۔ لیکن لارڈ منٹو کو یہ منصوبہ پسند نہ آیا۔ کمپنی کے عیسائی مبلغین اور برطانوی حکومت لارڈ منٹو کے ان خیالات سے متفق نہ ہو سکی۔ البتہ اس نے عیسائی مبلغین کو متنبہ کر دیا کہ اصل خطرہ کیتھولک مبلغین سے ہے جو کمپنی کے تابع نہیں ہیں۔ اس لئے اس بات کا انتہائی اندیشہ ہے کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک مبلغین کے درمیان مسابقت کا جذبہ ہندوستانیوں کے دینی جذبے کو ٹھیس پہنچا دے۔ لہٰذا کمپنی کے مبلغین کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ کیتھولک مبلغین کی دعوتی جدوجہد کو حدود میں رکھیں۔ اور پروٹسٹنٹ مبلغین کی ہر طرح مالی اعانت اور سرپرستی کریں۔ چنانچہ اس طریقے سے کیتھولک مبلغین کی سرگرمیاں کم ہو گئیں۔ اور ساتھ ہی یورپ اور امریکہ سے آنے والی مالی امداد بھی کم ہو گئی۔

اب پروٹسٹنٹ مبلغین کے لئے میدان صاف تھا۔ کمپنی کا اپنا عقیدہ بھی چونکہ پروٹسٹنٹ تھا لہٰذا کمپنی نے ان کی کھل کر سرپرستی کی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے درمیان عیسائی دعوت کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں۔ اسلامی عقائد، شخصیات، تاریخ و تہذیب کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کو شکوک و شبہات کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ جدوجہد زیادہ دیہی علاقوں کے سادہ دل مسلمانوں میں مرکوز رکھی گئی تاکہ ان کے اسلامی عقائد متزلزل ہو جائیں اور وہ آسانی سے عیسائیوں کے جال میں پھنس جائیں۔ شہری علاقوں میں اس دعوتی جدوجہد کو ابھی خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہاں اس پر اتنا زور نہ دیا گیا۔

شروع شروع میں عیسائی مشنریز کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی زبردست تائید اور حمایت حاصل رہی۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حکومت نے سرکاری سطح پر یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انگریز حاکم فوجیوں اور سرکاری عہدیداروں کو گاہے گاہے یہ حکم دیتے رہتے تھے کہ عیسائی مشنریز کی تائید و حمایت جاری رکھی جائے۔

لارڈ منٹو کے عہد حکومت میں عیسائی مشنریز کے خلاف فساد میں تیس انگریز مارے گئے۔ اس پر حکومت برطانیہ نے عیسائی مشنریز کی جدوجہد اور سرگرمیوں کو مزید تیز تر کرنے اور ان میں تنظیم پیدا کرنے کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ ہندوستان تبلیغ کے لئے وہی مبلغ جا سکتا ہے جس کے پاس حکومت کا آرڈر ہو۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے ایک بڑے پادری کو متعین بھی کر دیا تاکہ وہ تبلیغی سرگرمیوں میں مشورہ دے سکے۔

اب چونکہ پورے ہندوستان میں انگریزی سیاسی اقتدار تھا اور انگریز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو مکمل طور پر

ختم کر چکا تھا لہٰذا اس کی دلی خواہش تھی کہ اب سرزمین اندلس کی طرح یہ خطہ بھی عیسائیت کی اکثریت والا علاقہ بن جائے۔ ہندوستان کی سرزمین میں انہیں اندلس سے زیادہ چارم (CHARM) نظر آتے تھے۔ لہٰذا وائسرائے ہند لارڈ کیننگ نے اس بات کا عہد کیا کہ تین سال کے اندر پورے ہندوستان کو عیسائی اکثریت میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ ادھر انگلستان میں ایک برطانوی ممبر پارلیمنٹ نے ۱۸۵۷ء میں اس بات کا اظہار کیا کہ:

"آج سے پورا ہندوستان انگریزوں کے زیر نگیں ہے۔ اب پورے ملک پر "مسیح" کا پرچم لہرایا جائے گا۔ اب ہم تمام عیسائیوں کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں"۔

ایک اور رپورٹ میں اس بات کا اشارہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے عیسائی مبلغین بڑے امن و سکون سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی اور حمایت میں وہ یہ کام انجام دے رہے ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دولتہ الاباطرۃ المغول الاسلامیہ ص ۱۶۲، نور الدین داؤد: محنتہ فی الفردوس ص ۱۸۶، عبدالمنعم نمر: تاریخ الاسلام فی الہند ص ۴۰۴ السادانی: تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیہ جلد ۲ ص ۱۷۱، ص ۲۸۱، انور الجندی، العالم الاسلامی والاستعمار، ص ۱۵۳، عبدالعزیز نوار: الشعوب الاسلامیہ ص ۵۴۸، ۵۵۵، عبداللہ حسین! المسالتہ الہندیتہ ص ۲۰۵-۲۰۷، غیر ہم)

صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد مسیحی دنیا نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتقام لینے کے لئے جو منصوبہ بندی کی تھی۔

اس کا کرتا دھرتا اسپینی پادری ریمون للی (RAYMON LILLY) تھا جس نے اسپین میں مسلمانوں کو نہ صرف نیست و نابود کیا بلکہ انکے وجود ہی کو تحلیل کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ریمون للی نے پاپائے روم کے سامنے جو منصوبہ پیش کیا اس میں گرجا گھروں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ تعلیمی اور ثقافتی مراکز کو عیسائی دعوت کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کے لئے استعمال کیا جائے۔ اگر تعلیم و تربیت کے تمام وسائل استعمال کرنے کے بعد بھی مسلمان عیسائی نہ بنیں تو بجبر و اکراہ یعنی جس طریقے سے بھی ہو سکے انہیں عیسائی بنایا جائے۔

یہ منصوبہ عیسائی مبلغین کے ذہنوں پر ایک عرصہ تک چھایا رہا۔ بالآخر پادری گریگورس شانزدھم نے ۱۸۳۱ء میں تعلیمی مشنریز کی تشکیل کر کے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ پھر ۱۸۸۱ء میں پادری لیون نے عیسائی مبلغین کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ ہر قسم کی علمی سندیں حاصل کر سکتے ہیں۔ تاکہ مسیحی عقائد کی ترویج و اشاعت کا کام وسیع پیمانہ پر کر سکیں۔ اس کے بعد تجربات سے اس بات پر تمام مبلغین کا تقریباً اتفاق ہو گیا کہ تعلیمی اداروں کے ذریعہ ذہین مسلمان نوجوانوں کو متاثر کیا جا سکتا ہے۔ اور شہروں اور دیہاتوں میں نہایت آسانی، آزادی اور بڑے اطمینان کے ساتھ یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بڑے پیمانے پر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کئے گئے۔

۱۹۰۰ء میں سرزمین پاک و ہند میں عیسائی مشنریز کے زیر انتظام چلنے والے تعلیمی اداروں کی تعداد ایک ہزار تھی جب کہ ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء اور طالبات کی تعداد ۶۵ ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔ آگرہ، اودھ، الہ

آباد، حیدر آباد اور مدراس میں ایسے معیاری تعلیمی ادارے تھے جہاں عیسائی مبلغین کو مسلمانوں کے درمیان دینِ مسیحی کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔

عیسائیت کو تعلیمی اداروں کے علاوہ ہسپتالوں کے ذریعہ لانے کی بھی کوشش کی گئی کیونکہ دانشوروں نے اس طریقے کو بڑا موثر بتایا۔ اس طریقے سے مریض اور اس کے گھر والوں کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے۔ اس سے قبل فرانسس زیور بھی اس طریقے کے موثر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر چکا تھا۔ چنانچہ اب حکومت برطانیہ نے ان تعلیمی اداروں کے پہلو بہ پہلو عیسائی مشنریز کے زیر انتظام ہسپتال اور شفاء خانے بھی قائم کئے۔ ان سب کا مجموعی بجٹ بیس لاکھ ڈالر سالانہ تھا۔ ان مسیحی ہسپتالوں میں کافم کرنے والی نرسوں کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ سال میں کم از کم چھ ہزار خاندانوں سے ذاتی روابط پیدا کریں۔ خصوصی طور پر خواتین کو مختلف عیسائی تقریبات میں مدعو کر کے ان کے ذہنوں کو عیسائیت کے لئے ہموار کریں۔ سالانہ تیس ہزار خواتین کے مفت علاج کی سہولت بھی ان ہسپتالوں میں مہیا کی گئی تھی۔

انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور نئے نصابِ تعلیم کے نافذ ہونے کے بعد انگریزی حکومت کو ایسے افراد ملنے شروع ہو گئے جو ذہن و فکر اور ذوق و مزاج کے اعتبار سے نیم انگریز تھے۔ جو دین اور اخلاقی قدروں کا مذاق اڑانے کو فیشن سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کے ذریعہ اسلامی عقائد اور اسلامی تاریخ و تہذیب کو بے اعتبار ثابت کرنے کی ایک خاص مہم چلائی گئی تاکہ اسلامی عقائد کی عمارت میں دراڑیں بھی پڑ جائیں اور ہم پر کوئی حرف بھی نہ آئے۔ چنانچہ یہ مہم بڑی کامیاب رہی۔ ایک پادری نے ایک خط میں لکھا ہے:

"ہم ہندوستان اس لئے نہیں آئے کہ یہاں کے باشندوں کے ساتھ کوئی بھلائی کریں بلکہ ہم نے ان پر ایسا تعلیمی نظام مسلط کر دیا ہے جو رفتہ رفتہ ان کی دینی اور اخلاقی قدروں کو ختم کر کے زوال کے آخری درجہ تک انہیں پہنچا دے گا"۔

یہ تعلیمی ادارے اور مشنری اسکول حکومت نے اس لئے کھولے تھے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایسا نظامِ تعلیم ٹھونس دیا جائے جس کو پڑھ کر لوگ دیکھنے میں تو مسلمان نظر آئیں لیکن ذہنی طور پر وہ انگریز ہوں۔ ان کو چلانے کے لئے انگریزی حکومت نے اپنی جیب سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا تھا بلکہ مسلمانوں کے مدارس اور مساجد کے اوقاف کو بحقِ سرکار ضبط کر کے ان کی ساری آمدنی بلکہ ان اوقاف کی عمارتوں کو بھی عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دیا۔ گویا ہمارے ہی جوتے اور ہمارا ہی سر۔ علاوہ ازیں جو مسلمان امراء اور نواب اسلامی مدارس کی امداد و اعانت کرتے ان کو سنت دھمکیاں دی جاتیں۔ بسا اوقات معمولی غلطیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو بند کر دیا جاتا۔ اس طرح بڑی تعداد میں مسلمان اپنے تعلیمی مراکز سے محروم ہو گئے۔ یہ بھی ایک طریقہ تھا مسلمانوں کو اسلامی تعلیم سے دور رکھنے اور انگریزی تعلیم سے نزدیک لانے کا۔ پھر اس سے انگریزوں کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ اسلامی تعلیمی مراکز بند کرنے یا بند ہونے سے نہ صرف موجودہ نسل اسلامی تعلیم سے محروم ہو گئی بلکہ مستقبل کی مسلمان نسلیں بھی اسلامی تعلیم سے یک قلم دور چلی گئیں۔

یہ وقت مسلمانوں کے لئے بہت نازک تھا کیونکہ حکومت تو چھینی جا چکی تھی اب دین بھی چھینا جا رہا تھا۔ چنانچہ

مولانا الطاف حسین حالی نے اس وقت کی نزاکت کو یوں بیان کیا ہے کہ:

"ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھر لوٹ مل جاتا تھا۔ مگر وہ اس پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا۔ اس لئے کہ ان کے منادیوں میں، ان کے اخباروں میں اور ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے۔ بانیٔ اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آ گئے۔ اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خان وغیرہ متنبہ ہوئے۔ انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلہ میں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ رد نصاریٰ میں تالیف و تصنیف اور پادریوں سے مقابلہ و مناظرہ کا سلسلہ ایک جماعتی نہ سہی لیکن انتظامی شکل میں شروع ہو گیا تھا۔ قدرتی طور پر ہر جگہ مسجدیں تھیں۔ علمائے کرام کے وہ گڑھ تھے۔ اس انقلابی تحریک کے چلنے میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوئی۔ راہ نما کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے بہتر کون ثابت ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کام کے لئے دہلی، آگرہ کو مرکز قرار دیا۔ یہاں بھی مولانا نے تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ ان کی جماعت میں ہندوستان کے انتہا پسند اور حضرت مولانا اسماعیل شہید کے فدائی مسلمان تھے۔ جن کی تعداد کافی تھی"۔

(حیات جاوید)

اسی طرح حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی اس زمانہ کے حالات کا ایک نقشہ حیات شبلی کے دیباچہ میں پیش کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر کئی طرف سے فتنوں کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ سید صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"انگریزوں کے برسر عروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا۔ عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ روئیں پر حملے شروع کر دیئے۔ دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمرانوں سے نجات پا کر ان پر حملہ کی جرأت پائی اور سب سے آخر میں یورپین علوم و فنون اور تمدن کی ظاہری چمک دمک مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔ خدا نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا رحم علی منگلوری، مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی، مولانا سید محمد علی مونگیری وغیرہ اشخاص پیدا کئے جنہوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرزے اڑا دیئے۔ خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا وجود تو رد عیسائیت کے باب میں تائید غیبی سے کم نہیں۔ اور کون باور کر سکتا ہے کہ اس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خان جیسا آدمی پیدا ہو گا جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کامل اور عہد انی و یونانی کا ایسا واقف ہو گا جو عیسائیوں کو خود انہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا اور مولانا

ت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابلِ شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کر دے گا"۔ (دیباچہ اتِ شبلی)

ان دونوں اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نازک موقع پر علمائے اسلام نے مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچانے کی پوری پوری کوشش کی۔ خصوصی طور پر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے عیسائیت کے مقابلہ میں اپنا تن، من اور دھن سب کچھ تج دیا۔ جلاوطن ہوئے۔ جائیداد بحق سرکار انگریزی ضبط کروائی لیکن عیسائیت کا مقابلہ اس سختی کے ساتھ کیا کہ آج تک عیسائی پادری ان کے دلائل و براہین سے منقار زیر پر ہیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا زمانہ جنگ آزادی کے قریب کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں انگریزی حکومت ہر وہ پالیسی اختیار کر رہی تھی یا کئے ہوئے تھی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں انگریز اپنی سیاسی بالادستی کے ساتھ ساتھ اپنا فکری اور تہذیبی اثر ورسوخ پیدا کرنے کے لئے بہت سے حربے استعمال کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک حربہ یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی اور دینی زبانوں کو ختم کر دیا جائے اور ان کی جگہ انگریزی زبان کو رواج دیا جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر انگریزوں نے ملک میں بہت سے اسکول اور کالج قائم کئے۔ کیونکہ سیاسی دباؤ کو مستحکم کرنے کے ساتھ مسیحیت کی تبلیغ واشاعت میں اس سے بڑے فوائد حاصل ہوسکتے تھے۔

کسی قوم کی زبان اس کے افکار، فلسفۂ حیات اور تاریخی و ثقافتی اقدار کا آئینہ ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ اس کی روایات، نفسیات اور اجتماعی خصوصیات کا عکس اور نقش دیکھا جاسکتا ہے۔ کسی قوم کا تعلق اپنے ماضی اور علمی فکری اور دینی سرمایہ سے منقطع کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہوسکتی ہے کہ زبان کو یا صرف اس کے رسم الخط کو تبدیل کر دیا جائے۔ ماضی قریب میں آپ کو ایشیا میں ایسی مثالیں مل جائیں گی جو اس دعویٰ کی صداقت کی شاہد عدل ہیں بلکہ ترکی کی بیّن مثال ہمارے سامنے ہے۔

فرانسیسی پادری A LE CHATLIER نے اپنی کتاب DUE MONDE MUSULMAN LA CONQUETE میں اس زمانہ کی مشنری سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس حکمت عملی سے مشنریاں اس وقت عالم اسلام میں سرگرم عمل تھیں۔ یہ کتاب فرانس سے شائع ہونے والے مجلہ LE REEREE DUE MONDE MUSULMAN کا ایک خاص نمبر ہے۔ یہ ایک مشنری پرچہ تھا اور اس کا مقصد اسلامی ممالک میں پروٹسٹنٹ مشنری کی سرگرمیوں کو منظر عام پر لانے اور کیتھولک مشنری کی غیرت کو بھڑکانے اور ان کے خوابیدہ عزائم کو بیدار کرنے کے لئے ۵۰ سال قبل یہ پرچہ نکلتا تھا۔ شائع امی شخص اس وقت اس کا مدیر تھا۔ اس شمارہ میں شامل طویل مقدمہ اسی کے قلم سے ہے۔ مصر کے مساعد الیافی اور شیخ محب الدین الخطیب نے اس کا عربی ترجمہ کر کے اپنے مجلہ "المؤید" میں شائع کیا تھا جو بعد میں ۱۳۰۵ھ "الغارۃ علی العالم الاسلامی" کے نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر آیا تھا۔ (محمد قطب: ھل نحن المسلمون ص ۱۴۵)

عیسائی مشنریز کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں ان اہم مشنری کانفرنسوں کی تجاویز اور قراردادوں کی تفصیلات بھی درج ہیں جو ۱۹۰۶ میں قاہرہ میں، ۱۹۱۰ء میں ایڈنبرا اور ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کے شہر شنو میں منعقد کی گئی تھیں۔ یہ کتاب نہایت معلومات افزا ہے۔ اور اس کو پڑھنے سے مشنریوں کی عجیب وغریب سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔

اس کے مقدمہ میں شاتلیہ ایک جگہ پر لکھتا ہے کہ:

"اس بات میں ذرا برابر شک نہیں کہ صرف پروٹسٹنٹ اور کیتھولک مشنریز کی سرگرمیوں سے اگر ہم چاہیں کہ اہل اسلام کے دل اسلامی عقائد سے خالی ہو جائیں تو یہ بات محالات میں سے ہے۔ اس کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ یورپی افکار پھیلائے جائیں۔ انگریزی، جرمن، ولندیزی اور فرانسیسی زبانوں کے پھیلانے سے اسلام یورپ کے پرچوں میں کسی طرح جگہ پا سکتا ہے اور ایک مادی اسلام کے لئے راہ ہموار ہو گی۔ اسی طرح مشنریاں اسلامی دینی عقائد و افکار کو ناپید کرنے میں مصروف عمل رہیں گی۔ جن کی وجود و نمود کی بقاء اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ دنیا سے کٹ کر ہی رہیں۔"

ایک اور موقع پر شاتلیہ لکھتا ہے کہ:

"عیسائی مشنریوں کی جدوجہد کا پہلا ثمرہ یہ ہے کہ نوجوان مردوں اور عورتوں کی اگرچہ ایک تھوڑی سی تعداد عیسائی بن سکی ہے لیکن دوسرا اہم ثمرہ اور نتیجہ یہ ہے کہ ہر طبقہ کے مسلمان بتدریج مسیحی افکار اخذ کرنے کے عادی بنتے جا رہے ہیں"۔

پھر اسی صفحہ پر شاتلیہ لکھتا ہے کہ:

"عیسائی مشنریاں اگر یہ دیکھیں کہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی جدوجہد کے نتائج سست ہیں تو اس سے ان کو مایوس نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ اب ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یورپ کے علوم و فنون اور آزادی نسواں کی طرف شدید میلان بڑھتا جا رہا ہے"۔ (۱)

(الغارۃ علی العالم الاسلامی صفحہ ۴۸)

یہ وہ مسیحی لائحہ عمل تھا جو عیسائی مشنریز نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے تیار کیا تھا جس کا خلاصہ ہم نے یہاں شاتلیہ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کے شہر لکھنؤ میں مشنریوں کی ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ شاتلیہ نے اس کے زیر عنوان لکھا ہے کہ:

"اسلامی حکومتوں کے زیر اقتدار رہنے والے مسلمانوں کی تعداد اب ۳۷۱۲۸۸۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ خود مسلمانوں کی اکثریت کے ذریعہ ہی سیاسی اقتدار اسلامی خلافت سے منتقل ہو کر انگلینڈ، فرانس، روس اور ہالینڈ کے

اسلامی اقدار اور شریعت اسلامیہ کے ارکان سے اپنے آپ کو بری قرار دینا اور ان پر عمل نہ کرنا یہ بھی گویا عیسائیت کی طرف ایک میلان ہے اور مشنریز یہی چاہتے تھے۔ اور چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسیحیت کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا تو نہ ہو اس کی احکام اسلام سے آزادی بھی انکے مشن کی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ مرے کالج سیالکوٹ کے پرنسپل مسٹر جان گیرٹ سے ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کو یہاں اتنا عرصہ ہو گیا لیکن میرے علم کے مطابق آپ نے ابھی تک کسی مسلمان کو عیسائی نہیں بنایا؟ پادری جان گیرٹ نے جواب دیا اگر میں کسی مسلمان کو عیسائی نہیں بنا سکا لیکن جو مسلمان میرے زیر اثر تھے میں نے انہیں مسلمان بھی نہیں رہنے دیا اور اسلامی اقدار سے انہیں دور کر دیا ہے۔

ہاتھوں میں چلا گیا۔ مسلمانو کی جو تعداد ان ممالک کے زیر اقتدار زندگی بسر کر رہی ہے وہ خلاف اسلامیہ کے تحت رہنے والے لوگوں سے زیادہ ہے۔ پھر مسلمانوں کی جو تعداد مسیحی ممالک کے زیر اقتدار زندگی بسر کر رہی ہے اس میں مستقبل قریب میں آنے والے انقلابات سے ضرور اضافہ ہوگا۔ اس طرح اسلامی ممالک میں مشنری مہم کو سرگرم رکھنے کے سلسلے میں عیسائی حکمرانوں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے"۔ (الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۹۴)

قاہرہ اور لکھنؤ میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں جو قرار دادیں اور تجاویز منظور کی گئی تھیں۔ ان کے سلسلہ میں شاتلیہ لکھتا ہے کہ:

"ان تمام واقعات سے (یعنی عالم اسلام میں نشاۃ ثانیہ کے آثار سے) کلیسا کے لئے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ عزم صمیم اور ثابت قدمی کے ساتھ سرگرم عمل رہے اور مشنری معاملہ کا زیادہ اہتمام کرے۔ اس کی روشنی میں لکھنؤ کانفرنس کے پروگرام میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں:۔

۱۔ حالات حاضرہ کا مطالعہ۔

۲۔ مشنری تعلیم اور تعلیم نسواں کے دائرہ کی توسیع

۳۔ ضروری حد تک طاقت کے استعمال کی تیاریاں اور اس کے معیار کو بلند کرنے کی تدابیر۔

(الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۸۸-۸۹)

یہ اقتباسات اس بات کے اندازے کے لئے کافی ہیں کہ انگریزوں کی لسانی اور تعلیمی پالیسی کے پیچھے کون کون سے عوامل کار فرما تھے اور وہ اصلاً کس شے کے حصول کی کوشش کر رہے تھے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل انگریزوں کی پالیسی اور تھی اور جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اس سے مختلف تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اظہار الحق کے پہلے صفحہ پر ہی لکھا ہے کہ:

"انگریزوں نے جب ہندوستان پر مکمل قبضہ کر لیا اور صحیح طریقہ سے امن و امان بحال ہو گیا تو اپنی حکومت کے آغاز سے ۳۴ سال تک ان کے علماء نے عیسائی مذہب کی دعوت کی طرف اس قدر دھیان نہ دیا لیکن اس کے بعد انہوں نے بڑے زور شور سے دعوت کا کام شروع کیا۔ پھر اس کی درجہ بندی کی یہاں تک کہ بے شمار رسائل اور کتابیں مسلمانوں کے رد میں شائع کر کے مختلف شہروں کے عوام میں تقسیم کیں"۔

اہل اسلام کے رد میں رسالے اور کتابیں لکھ کر تقسیم کرنے کے علاوہ حکومت کی بنیادوں پر عیسائیت کے فروغ کے لئے جو کام کیا وہ زود اثر بھی تھا اور دیرپا بھی اور اس سے نتائج بھی بڑے دور رس تھے۔ عیسائیت کی نشر و اشاعت اور مسلمانوں کو دین اسلام سے دور رکھنے کے لئے جو اقدامات کئے گئے وہ حسب ذیل تھے:۔

۱۔ انگریزی زبان کی ترویج:

انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا اس وقت سرزمین پاک و ہند میں اردو اور فارسی اسلامی زبانیں تھیں۔ اور علماء، مفکرین اور دانشور حضرات کا ذریعۂ اظہار تھیں۔ اس زمانہ کے تمام علوم و فنون کی تدوین ان ہی دو زبانوں میں ہوئی تھی۔ عہد مغلیہ میں اور اس وقت بھی جب خاندان مغلیہ کی حکومت چراغ سحری کی طرح دم آخرین تھی۔

ملک کی سرکاری زبان ہونے کا شرف فارسی کو حاصل تھا۔ اور اردو اگرچہ اپنے ابتدائی ادوار میں تھی۔ لیکن عوام میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ پھر دین کے علوم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی اس زبان میں تھا۔ اس عہد کے علماء اور مفکرین اسلام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے اور بغاوتوں کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے ان ہی دو زبانوں کو تقریر و تحریر کا ذریعہ بنایا تھا۔

ان دونوں زبانوں کے علاوہ وہ اس زمانہ میں ایک اور زبان کا بھی کافی چلن تھا اور وہ عربی زبان تھی۔ یہ زبان چونکہ قرآن و حدیث کی زبان ہے۔ لہٰذا غیر مسلم ہندوستانیوں کے درمیان اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں اس کا کردار معاون رہا ہے۔ عیسائیت کی تبلیغ میں اس سے رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کو قرآن و حدیث سے الگ کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستان میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے مسلمانوں کی بھی تھی جن کی تقریر و تحریر کا ذریعہ عربی زبان تھی۔

(انور الجندی: العالم الاسلامی والاستعمار ص ۳۵۹، ص ۳۶۳، ساداتی! تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ جلد ۱ ص ۲۵، جلد ۲ ص ۲۲۴، ۲۲۵، ابوالحسن علی الندوی: المسلمون فی الہند ص۔۔۔۔۔)

علماء اور اہل علم حضرات اردو اور فارسی کے علاوہ عربی زبان کو بھی اپنا ذریعۂ اظہار بناتے تھے۔ بڑے بڑے علماء نے عربی زبان میں بڑی کار آمد کتابیں لکھیں جن سے نہ صرف اس زمانہ کے لوگ مستفید ہوئے بلکہ آج تک لوگ ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

کسی قوم کے افکار اور تہذیب و تمدن کی نشو و نما میں اس کی زبان کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ زبان ایک قوم کے جذبات اور افکار کا آئینہ ہوتی ہے۔ چنانچہ جن ماہرین تعلیم کو اندازہ تھا کہ مشرقی اقوام میں یورپی افکار اور تمدن کی اشاعت میں خود یورپی زبان بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہے انہوں نے انگریزوں کو مشورہ دیا کہ ان اسلامی زبانوں کو ختم کرنے کی مہم چلائی جائے۔ اور انگریزی زبان کو اس کا قائم مقام بنا دیا جائے۔

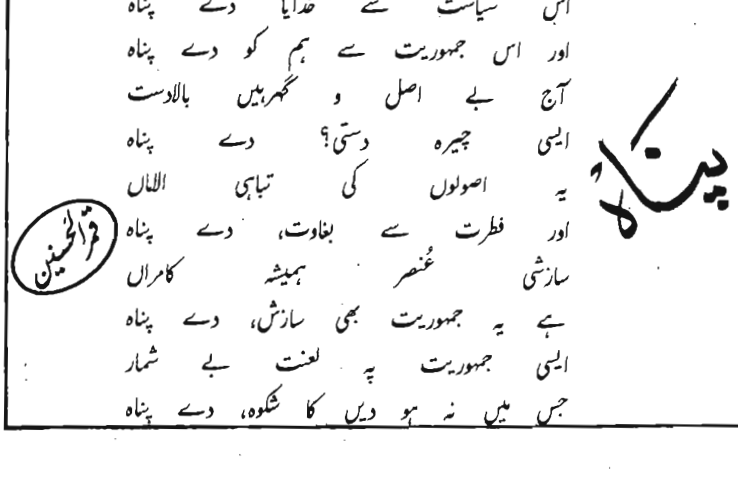

مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ

تلخیص: عبدالمجید قریشی

میرا افسانہ

جنگِ آزادی کے جانباز سپاہی مجلس احرارِ اسلام کے عظیم رہنما صاحبِ طرز ادیب مفکرِ احرار چودھری افضل حق مرحوم کی زندگی کے درخشاں درخشاں واقعات جو افسانے سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ جناب عبدالمجید قریشی نے چودھری صاحب کی خود نوشت "میرا افسانہ" کے باب اوّل کی تلخیص کی ہے جو ہدیہ قارئین (ادارہ)

میرے بچپن کی کہانی استاد کی مار پیٹ سے شروع ہوتی ہے۔ زندگی کا پہلا واقعہ یوں یاد ہے کہ تعلیم کے ابتدائی درجے میں داخلے کا پہلا دن تھا۔ پیشاب جو لگا، میں جماعت سے باہر چلا گیا۔ فارغ ہو کر واپس آیا تو خلیفہ جی (استاد) سے ازار بند باندھنے کی فرمائش کی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ خلیفہ جی کو بچوں کے ازار بند باندھنے سے چڑ ہے۔ پہلے ہی دن مجھ پر پیغمبری وقت آن پڑا۔ خلیفہ جی کا غصہ ان کی عقل اور فرض سے زیادہ تھا۔ انہوں نے ازار بند باندھنے کے بجائے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ اس بدسلوکی کا سزاوار میں ہی نہ تھا بلکہ وہ کئی ایک لڑکوں کا پیشاب پہلے بھی خطا کر چکے تھے۔ غرض پہلا سبق جو استاد نے پڑھایا وہ یہ تھا کہ مدرسے میں پیشاب نہ کرو۔

اس پہلے دن کی بدشگونی کی نحوست اسکول کے ابتدائی چند سال ساتھ رہی۔ ایک تو ان دنوں یوں بھی مدرس باتوں کی نسبت لاتوں اور ہاتھوں سے زیادہ کام لیتے تھے۔ دوسرے میں ہم جماعتوں میں جسمانی لحاظ سے کمزور تھا۔ کمزور پر رحم کا کہیں بھی قاعدہ نہیں نتیجہ یہ تھا کہ استاد عموماً پیٹا کرتے تھے۔ اس طرح پیٹتے پٹاتے پانچویں جماعت میں پہنچ گیا۔ یہاں کے ماسٹر صاحب کی ایک آنکھ نہ تھی۔ مگر غصہ خلیفہ صاحب سے دوگنا تھا۔

پہلے دن میں اور چند لڑکے اسکول سے گھر دور ہونے کے باعث ایک آدھ منٹ بعد پہنچے تو ماسٹر صاحب نے نہایت اطمینان سے فرمایا: "کان پکڑلو!" ہم معذرت کیا ہی چاہتے تھے کہ اس نے اچانک لڑکوں پر ڈنڈا برسانا شروع کر دیا۔ فوراً سب کان پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ البتہ ایک تربیت یافتہ لڑکا جھکا اور ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر کان پکڑ کر کبھی ایک ٹانگ پر اور کبھی دوسری ٹانگ پر بوجھ ڈالتا ہوا جھومنے لگا۔ ہم اس دلچسپ نظارے کو زیادہ دیر تک دیکھنے نہ پائے تھے کہ ماسٹر صاحب کا غصہ طوفان بن گیا اور وہ بُری طرح ہم پر برسا۔ اُس نے ایک سانس میں سو سو گالیاں دی۔ دستِ ستم پیشہ کو ہم پر ہزار بار آزمایا۔ ہم رونا چاہتے تھے تو مہلت نہ دیتا تھا۔ جب وہ زور آزمائی کرتے کرتے تھک گیا تو ہمیں اتنی مہلت نصیب ہوئی کہ ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر آسمان اور زمین کے متوازی ہو گئے۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ اُس نے تھوڑی دیر کے بعد اسی حال میں کتابیں کھول کر پڑھنے کا حکم دیا۔

یہ ۱۹۰۴ء کے واقعات ہیں۔ اسی سن میں صبح کے وقت کانگڑے کا قیامت خیز زلزلہ آیا جس نے پنجاب بھر کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا۔ کچھ عرصہ تو سب نے سمجھا کہ قیامت آ گئی۔ مائیں بچوں کو گھروں میں چھوڑ کر جان بچانے کھلی جگہ کی طرف بھاگیں نفسا نفسی کا وہ عالم تھا کہ بجز اپنی ذات کے کسی کو کسی کا خیال نہ رہا۔ مجھے گھبراہٹ

میں والدہ کی آواز سنائی دی کہ چوک میں چلے جاؤ! میں اور میرا بھائی فضل حق بھاگ کر باہر نکلے۔ ہمارے پہنچتے پہنچتے وہاں اچھا خاصا ہجوم ہو چکا تھا۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ سب خدا سے رحم مانگ رہے تھے۔ ناگاہ مسجد کا ملا بھاگا بھاگا آیا اور اس نے آتے ہی اذان کہنا شروع کر دی۔ پھر کیا تھا سب چھوٹے بڑے اذان دینے لگے۔ ان ہی میں ایک مادرزاد برہنہ نوجوان عورت باحال پریشان کانوں میں انگلیاں دے کر "لو کو اللہ اکبر، وے لو کو اللہ اکبر!" کہتی اِدھر اُدھر بھاگتی پھر رہی تھی۔ برہنگی کی طرف تو میں اب اشارہ کر رہا ہوں۔ اس پریشانی میں کسی کو کچھ ہوش نہ تھا۔ ننگے اور لباس والے سب برابر تھے۔

کچھ عرصہ ہوا ایک مقام پر قربِ قیامت کا ذکر جاری تھا کہ قیامت کو لوگ ننگے ہوں گے۔ نہ اُن کو خود ننگے ہونے کا احساس ہو گا نہ ہوش۔ میں نے اُس موقع پر کانگڑے کے زلزلے کی پُربیبت داستان سُنائی اور اس برہنے بی بی کا ذکر کیا تو سامعین بے حد متاثر ہوئے۔

شوخی اور شرارت میں بندر اور بچے برابر ہوتے ہیں۔ ہر سوراخ میں انگلی ڈالنا ان کی خوشی ہے۔ طالب علمی کی ساری تلخ اور خشک زندگی میں یہ شرارتیں بے آب و گیاہ صحرا کے لمبے سفر میں اچانک ایک مسکراتا مرغزار آنکھوں کے سامنے آجانے کے برابر ہے۔ استاد ہزار کان! اینٹھیں، مگر یہ بھی اُن کے کان کترتے ہیں۔ ساتویں جماعت کے اُردو کے استاد بڑے جابر اور تیز طبیعت تھے۔ چھڑی اندھے کے لٹھ کی طرح گھما کر بلاوجہ مارتے تھے۔ ایک لڑکے نظیر حسین کو معمولی بات پر غیر معمولی پیٹا۔ تو وہ پٹ کر شوخ ہو گیا۔ ایک دن اس نے لڑکوں کو اپنی راہ پر لگایا اور انہیں پٹی پڑھائی کہ اردو کی پہلی کتاب کی نظم "صبح کی سیر" کا پہلا مصرع استاد کے آتے ہی مل کر بلند آواز سے پڑھنا، جب مولانا اس بنچ کے لڑکوں کی طرف متوجہ ہوں تو پہلی بنچ کے لڑکے دوسرا مصرع اسی طرح بلند آواز سے پڑھیں اور دوسرے شعر کا پہلا مصرع چوتھی بنچ والے اس طرح اُستاد صاحب شیش محل میں کتے کی طرح گھبرا کر کبھی اُدھر کی بنچوں کو پیٹنے کے لئے بھاگیں گے اور کبھی اِدھر کی! یارو! بڑا تماشا ہو گا سب کو معلوم تھا کہ اس تماشے کا نتیجہ مار پیٹ ہو گا مگر باوجود اس کے سب نے اس تماشے پر رضامندی کا اظہار کیا۔

مولانا محترم ایک شاہی شان سے جماعت میں جلوہ فرما ہوئے۔ سب لڑکے تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہو گئے۔ مولانا نے کمال فرو غرور سے نظر اُٹھا کر سب کا جائزہ لیا اور آنکھ کے اشارے سے سب کو بیٹھ جانے کو کہا۔ لڑکوں کے بیٹھتے ہی شریر نظیر نے اشارہ کیا۔ درمیانی بنچ کے طالب علموں نے اونچے سروں میں الاپنا شروع کیا!

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی
اجی--- سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

مولانا حیران رہ گئے اور گردن اٹھا کر دیکھنے لگے ابھی وہ وادیٔ حیرت میں سرگرداں تھے اور درمیانی بنچ کے لڑکوں پر حملہ آور نہ ہونے پائے تھے کہ پہلی بنچ کے لڑکے مل کر گانے لگے:

عجب تھی بہار اور عجب سیر تھی
اہا جی--- عجب تھی بہار اور عجب سیر تھی

مولانا کی آنکھوں سے غیض و غضب کے شرارے نکلنے لگے۔ پہلی بنچ پر ہاتھ اٹھانے کی مہلت نہ پائے تھے

کہ چوتھی بنچ سے آواز آئی۔

یہی جی میں آئی کہ گھر سے

ہاں جی----- یہی جی میں آئی کہ گھر سے بس

مولانا چوتھی بنچ کی سرزنش کے لئے بڑھے ہی تھے کہ پانچویں بنچ سے صدا بلند ہوئی:

ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

جی ہاں----- ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

مولانا کمرے کے درمیان کھڑے حیران ہو رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر نظیر پر پڑی جو مولانا کی سراسیمگی پر بغلیں بجا رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا مولانا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ سب کو چھوڑ کر نظیر کو پکڑ لیا۔ چھڑی کے ٹوٹ کر ٹکڑے اُڑ گئے۔ تو مولانا گھونسوں اور مکوں سے کام لینے لگے۔ اُنہوں نے جسم تول کر ایک گھونسا جو مارا تو نظیر نے جسم چُرا لیا۔ وار خطا ہو کر مولانا کا گھونسا پورے زور سے دیوار پر لگا۔ شدت درد سے ان کے منہ سے "ہائے" کی آواز نکلی اور انہوں نے زخمی ہاتھ بغل میں دے دیا اور نیم جاں ہو کر کرسی پر جا بیٹھے۔ ذرا جان میں جان آئی تو پھر اٹھے اور نظیر کو ساتھ لے کر ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس گئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب یورپین تھے۔ مولانا انگریزی زبان سے بے خبر تھے۔ نظیر ہی دونوں کے درمیان ذریعۂ گفتگو تھا۔ جو مولانا کہتے یہ اُلٹی سمجھاتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا سرگشتہ اور نظیر فاتحانہ انداز میں کلاس میں داخل ہوا۔

اگرچہ میں عام بچوں کی طرح کھلنڈرا تھا مگر انگریزی کھیلوں سے کوئی شغف نہ تھا۔ گلی ڈنڈا، کبڈی اور کبھا کبھار کشتی محبوب مشغلہ ہوتا۔ ایک دن ہم کبڈی کھیل رہے تھے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے کے باعث ایک کتا جو سڑک پر جا رہا تھا ڈر سے بھاگا اور ایک سادھو کی ٹانگوں میں گھس گیا جو کشکول میں آٹا لئے کبڈی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ سادھو پٹاخ سے زمین پر گرا اور آٹا مٹی میں مل گیا۔ سادھو کے پاس ایک اور تماشائی کھڑا تھا۔ اس نے اُس کو پکڑ لیا کہ مجھے تو نے گرا دیا ہے۔ وہ بے قصور ہونے کی ہزار قسمیں کھاتا تھا لیکن سادھو ماننے میں نہ آتا تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ کتے کے دھکے سے بڑے سے بڑا پہلوان گر جاتا ہے تب اسے یقین آیا۔

۱۹۰۸ء میں میں نویں جماعت میں داخل ہوا تو زمانے میں میرا مذہبی یقین شبہات کی نذر ہونے لگا اور ہستیٔ باری تعالیٰ کے متعلق باوجود عقل کی گواہی کے دل بے یقین سا ہو گیا۔ اس کی عظمت و جلال کی شہادت کے لئے گو قدرت جلوؤں کی دنیا آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر رہی تھی لیکن دل سے اطمینان جاتا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یقین ایک جنت تھی جو مجھ سے چھین لی گئی ہے۔ اور میں بے اطمینانی کے دوزخ میں ڈال دیا گیا ہوں۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ کتنی دعائیں اس یقین کو واپس لانے میں صرف ہوئیں۔

ایک دن میں پریشان حال بلکہ کے بُت کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ایک عورت جو حُسن کا کشمیر تھی سامنے سے گزری۔ ہر چند حسن و عشق نے دل میں جگہ نہ پائی تھی مگر رنگ و نقش کے امتزاج کو دیکھ کر خدا یاد آ گیا۔ زبان سے نکلا کہ یہ اشرف المخلوقات بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہو سکتی! یقین نے پھر طبیعت، پر اطمینان کی جنت کے دروازے کھول دیئے۔

انہی دونوں میرے محلے میں ہیضے کی وبا پھیلی۔ اس کی لپیٹ میں میں بھی آگیا۔ مجھ پر موت کا کوئی خوف و ہراس نہ تھا۔ لیکن گھر کی صفائی اور علاج سے پرہیز نہ تھا۔ جان بچ گئی؟ البتہ صحت کے لحاظ سے زندہ در گور ہو گیا۔ خدا جانے ہیضہ ہونے سے جسم میں کیا زہر پھیلا کہ طبیعت بھرپور طور پر بحال نہ ہوئی میں باوجود خرابیٔ صحت کے انٹرس اسلامیہ اسکول امرتسر سے پاس کر کے اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو گیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ صحت تعلیم کا ساتھ نہ دے سکے گی۔ تاہم کوشش جاری رکھی۔ غلطی سے سائنس اور حساب دونوں لے لئے اس لئے کالج میں کامیابی کی امید مشتبہ ہو گئی۔

کالج میں آکر میں نے بائیسکل چلانی سیکھی۔ پرانی سی ایک بائیسکل مل گئی تھی۔ مجھے ایک ہفتے کے اندر چڑھنے کی مہارت تو ہو گئی مگر چلانے کی پوری مشق نہ ہوئی نتیجہ یہ تھا کہ آدمی جدھر بچ کر جاتا تھا میری بائیسکل اسی کا تعاقب کرتی تھی۔ کئی دفعہ کئی شریفوں کی ٹانگوں میں بائیسکل پھنسانے کی نادانستہ کوشش کی۔ کئی مجھ پر غصے ہوئے۔ کئی ایک پر میں ناراض ہوا۔ شہری لوگ مجھ کو اناڑی سمجھ کر میرے سر ہوتے تھے کہ ہاتھ سیدھا نہیں ہوا اور بابو صاحب سائیکل سوار ہو گئے۔ دیہاتوں پر میں بے جا رعب جماتا تھا کہ راہ دیکھ کر نہیں چلتے۔

ایک دن میں موچی دروازہ کے نشیب کی طرف سائیکل پر سوار آرہا تھا بائیسکل پرانی ہونے کے باعث نہ بریک لگتی تھی نہ گھنٹی بجتی تھی۔ گھنٹی کا فرض زبان کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ بائیسکل بد کے ہوئے گھوڑے کی طرح اوپر سے نشیب کی طرف سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ میں برابر "ہٹو بچو" پکار رہا تھا۔ شامت اعمال ایک برقعہ پوش عورت سڑک کے کنارے کنارے جا رہی تھی میرے شور سے گھبرا کر سڑک کے دوسری طرف بھاگی نہ بائیسکل میں بریک تھی نہ میں ایسا مشاق کہ بی بی سے بچ نکلتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں راہ بیچ گرے۔ عورت پر میں اور مجھ پر سائیکل تاہم میں جھٹ سے اٹھا عورت نے پڑے پڑے ہزار صلواتیں سنائیں۔ کسی نے عورت کو سنبھالا۔ ایک نے میرے کپڑے جھاڑے۔ میں اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کر کے پھر بائیسکل پر چڑھ گیا۔ شومئی قسمت سے آگے سڑک پر چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ مجھے یہ علم نہ تھا کہ بائیسکل بھی پھسل جاتی ہے۔ اب وہ جو پھسلی تو میں پھر زمین پر آرہا۔ اس دفعہ تو یوں معلوم ہوا کہ کوئی دیوزاد مجھے زمین پر پٹخ گیا۔ جگہ جگہ زخم لگے۔ بصد مشکل کالج پہنچا بس اس دن سے اس شیطانی چرخے پر چڑھنے سے توبہ کی۔

بد قسمتی سے میں ۱۹۱۲ء میں ایف اے میں فیل ہو گیا۔ دوسرے سال دیال سنگھ کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں پہلی دفعہ غیر مسلم اسٹاف سے واسطہ پڑا۔ ایک دن ہمارے پروفیسر مترا نے فارسی پڑھاتے ہوئے برسبیل تذکرہ کہا کہ ہجرت کے کئی سو سال کے بعد مسلمانوں نے تصوف کو غیر مسلموں سے لیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھ پر بجلی بن کر گری۔ تصوف میرا اوڑھنا بچھونا ہو چکا تھا۔ میں نے ایک مذہبی دیوانے کی طرح پروفیسر مترا کو ٹوک دیا کہ آپ ابھی اسلام سے واقف نہیں۔ اس لئے ایسا کہتے ہیں۔

پروفیسر نے میری طرف تعجب سے دیکھا اور مسلمان طالب علموں نے میری جرأت کی داد دی۔ دوسرے روز پروفیسر بہت سی کتابیں لے کر آیا اور حوالے پر حوالہ دینا شروع کیا کہ قرونِ اولیٰ میں تصوف کا کوئی نام نہ جانتا تھا۔ خانقاہ، تکیہ اور تصوف کا لفظ قرآن بھر میں نہیں رسولِ عربی ﷺ سے نہ دم کشی ثابت نہ قلب پر ضربات

لگانے کا کہیں ذکر۔ یہ علم صاف طور پر غیر اسلامی ہے اور اسلام میں چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ جب مسلمان یونانی اور ہندوستانی فلسفۂ مذہب سے دوچار ہوئے تو انہوں نے تصوف کا پیوند اسلام میں لگا دیا۔ پروفیسر نے کہا کہ جاؤ تصوف اور شریعت کے کسی عالم کے پاس پہنچ کر پہلی تین صدیوں میں مسلمانوں میں تصوف کی موجودگی کا کوئی مستند حوالہ لاؤ۔ میں قائل ہو جاؤں گا۔

میں نے کہا: "پروفیسر صاحب اگر مسلمان علماء اور صوفیاء کے پاس یہ سند نہ ہوتی تو یہ خانقاہیں اور تکیے نہ ہوتے وہ ذکر کا شغل جاری نہ رکھتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی چیز کو داخلِ عبادت و دین سمجھنا بدعت ہے"۔

پروفیسر: "اور یہ بھی کہو کہ بدعت گمراہی ہے!"

میں: "جی ہاں بدعت گمراہی ہے۔ کیونکہ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ہو چکا ہے"۔

لاہور کے علماء سے میری واقفیت نہ تھی۔ اس لئے امرتسر اپنے ایک استاد کے پاس گیا۔ وہ قرآن کے مکمل ہونے پر ہمیشہ زور دیتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جو تصوف کو قرآن میں ڈھونڈتا ہے وہ خدا اور رسول پر بہتان باندھتا ہے۔

وہاں سے ایک اہلِ حدیث بزرگ کے پاس گیا۔ انہوں نے فرمایا! تصوف کی باتیں غیر مستند ہیں۔ کتاب اور سنت پر اعتقاد رکھو! یہی کامل ہدایت ہے۔ اور اس بات میں تمہارا پروفیسر برحق ہے"۔

ان کی زبان اور بیان میں بڑی نرمی تھی لیکن میرے لئے کوئی بات باعث تسلی نہ ہوئی کیونکہ دفعتاً اپنے اعتقادات کو بدلنا آسان نہ تھا۔ یہاں سے اٹھا اور اپنے ایک پیر بھائی کے ہاں پہنچا۔ وہ شریعت اور طریقت کے شاہسوار مانے جاتے تھے اور فی الحقیقت بے شمر شخص تھے۔ ان سے اپنی مشکل بیان کی انہوں نے کہا کہ یہ علم سینہ بہ سینہ پہنچا ہے ہر شخص اس علم کا اہل نہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص اصحاب کو راز دار بنایا اور طرح یہ طریقہ ہم تک پہنچا۔

یہ بات ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہو گئی۔ پروفیسر کو آکر آخری بات کہی۔ اس نے حقارت سے میری طرف دیکھا اور کہا کہ مجھ کو جھٹلانے کی کوشش میں اپنے پیغمبر ﷺ پر بہتان باندھنے لگے۔ یہ پیغمبر ﷺ کو خدا کا یہ حکم کہ میرے احکام کھول کھول کر بیان کرو اور وہ سینہ بہ سینہ بیان کرے!

میری آنکھوں کے آگے اندھیرا سا آگیا۔ میں نے گردن جھکالی میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

انگلستان میں اس وقت شہنشاہیت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ اور پوری دنیا میں اس کا کوئی سیاسی حریف نہ رہا تھا۔ البتہ جنگجو جرمنی چند سال سے سر اٹھاتا نظر آتا تھا۔ مدبرین انگلستان کی دور بین نگاہوں نے جرمنی کے خطرے کو قیاست بنتے دیکھ لیا تھا۔ جرمنی عقاب کی طرح پر تول رہا تھا کہ ایک ہی اڑان میں سب سے بڑی بلندی پر جا پہنچے۔ انگریزی سیاست غیر مرئی طور پر اس کی گردن میں روس اور فرانس کا حلقہ باندھ چکی تھی۔ یکایک آسٹروی شہزادے کے دن دہاڑے قتل نے یورپ کے خرمنِ امن میں چنگاری کا کام دیا۔ یوں معلوم ہوا کہ چاروں طرف خشک بارود کو آگ لگ گئی ہے۔

اٹلی، روس، فرانس اور انگلستان ایک طرف اور جرمنی آسٹریا اور ترکی دوسری طرف برسرِ پیکار نظر آئے۔

اسباب جنگ اور جنگی تدبیر کے لحاظ سے دنیا کے دوسرے ملک جرمنی کی ٹکر کے نہ تھے۔ ہندوستان کے وسیع ذرائع اگر انگلستان کے قدموں پر نچھاور کرنے کو نہ ہوتے تو ایک سال میں لڑائی ختم ہو جاتی۔ ہندوستانی آبادی انگلستان کے لئے ارزاں ترین سپاہی مہیا کر رہی تھی۔ امراء روپیہ فراہم کرتے تھے۔ اور اہل مذہب مندر اور مسجد میں فتح کی دعائیں کر کے عوام الناس کو قابو میں رکھتے تھے۔ ملک کے سامنے کوئی سیاسی مطمح نظر نہ تھا۔ اس لئے انگلستان، ہندوستان سے پورے طور پر بے فکر تھا۔ ہندوستان کی دس لاکھ فوج یورپ کے غربی محاذ پر غلامانہ قربانی کی داد حاصل کر رہی تھی۔ انگریزی فوج کے مسلمان سپاہی ترکی افواج کے سینوں کو چھلنی کر کے اماکن مقدسہ کو انگریز کے لئے فتح کرنے میں مصروف تھے۔ گیارہویں کے ختم پر آمادۂ قتال ہونے والے پیر اور مولوی ہندوستانی سپاہیوں کو برکت کے لئے تعویذ دیتے تھے اور ترکوں کی گولیوں سے محفوظ رہنے کے لئے "دم" کرتے تھے۔

ادھر یہ کیفیت تھی اُدھر کرنل لارنس نے عرب اور عراق کے شیوخ کو طلائی طلسم میں گرفتار کر کے انہیں ترکوں کے لئے خنجر زیر آستیں بنا دیا تھا۔ ایشیا میں سطوت اسلامی خود مسلمان اجیروں کے ہاتھوں برباد ہو گئی تمام ایشیاء اتحادیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ ہندوستانی سپاہیوں اور عربی شیوخ کے پاس تنخواہ کے چند بکسے رہ گئے۔

باوجود اس کے کہ انگریزی سیاست اسلامی سلطنتوں کا خاتمہ کر چکی تھی جرمنی کے دم خم وہی تھے۔ روس کا کچومر نکل چکا تھا۔ جرمن افواج کیسل کی پہاڑیوں پر قابض ہوا چاہتی تھیں کہ امریکہ اتحادیوں کے دام تزویر میں پھنس کر جرمنی پر تازہ دم فوجیں چڑھا لایا۔ جرمنی کے یہودیوں نے انگلستان کے اس وعدے پر غداری کی کہ فلسطین ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ان وجوہات کی بناء پر فاتح جرمنی مفتوح ہو گیا۔

میری طبیعت کے رجحانات اگرچہ انگریز کی طرف مائل نہ تھے تاہم وقت کے رواج کے مطابق سلسلۂ ملازمت میں منسلک ہو کر حلقہ بگوش انگریز ہو گیا۔ اور ۱۹۱۷ء میں بطور سب انسپکٹر پولیس بھرتی ہو کر قلعہ پھلور ٹریننگ کے لئے چلا گیا سب انسپکٹر پولیس جب تک قلعہ پھلور میں زیر تعلیم رہتا ہے فرعون مزاج ڈرل انسٹرکٹروں کے ہاتھوں ہر قسم کی ذلت اٹھاتا ہے۔ جب پولیس ٹریننگ اسکول کا کورس ختم کر کے ضلع میں آتا ہے تو قلعے کو بھول کر خود فرعون ہو جاتا ہے۔

جب میں قلعے سے ضلعے میں آیا تو تھانہ صدر لدھیانہ کے حوالدار تفتیش نے سمجھایا کہ یہاں سیدھی انگلی گھی نہیں نکلتا یہاں کے لوگ جوتے کے یار ہیں۔ جوتا ہاتھ میں ہے تو سب سلام کرتے ہیں۔ محبت سے پیش آؤ تو پگڑی اتارتے ہیں۔ اس نے مزید سمجھایا کہ تفتیش کے لئے عقل کی ضرورت نہیں۔ جس گاؤں میں تفتیش کے لئے جاؤ پہلے چماروں کے گھروں کی طرف سیدھے ہو لو۔ ان پر بلا تکلف ڈنڈے برساؤ۔ پھر چوکیدار کو بلا کر اس کے منہ پر بے شک بلاوجہ چپت لگاؤ۔ چمار اور چوکیدار کبھی ظلم کی داد رسی نہیں چاہتے۔ بلکہ مظالم پر صبر کرتے ہیں۔ نمبردار کا سوال البتہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ پہلے اس کو معمولی سی گالی دے کر اس کے صبر کا امتحان کرنا چاہیئے۔ اگر سؤر، کتے کی گالی برداشت کر جائے تو فحش گالیاں دو۔ یہ گالیاں بھی برداشت کر لے تو بے شک ڈاڑھی پکڑ کر ہلاؤ۔ اگر ان تین مدارج میں سے کسی مرحلے پر ناک بھوں چڑھائے تو تیوری پر بل ڈالے تو وہیں بس کر کے بات ٹال دو۔ جس گاؤں کا نمبردار گالی برداشت کر لے سمجھو کہ وہاں کوئی شخص نہیں جو تمہاری من مانی کارروائی میں مزاحم ہو۔ ایسے گاؤں میں جا کر جس جس پر شبہ نہ بھی ہو بغیر کچھ پوچھے کان پکڑوا دو اور چوتڑوں پر خوب جوتے برساؤ۔ بہتر یہ ہے کہ جوتے

مارنے کا عمل رات کے وقت شروع کیا جائے تاکہ اس کی آواز گھر گھر سنی جائے اور عورتیں پکار اٹھیں کہ حاکم بڑا سخت مزاج ہے۔ اول تو تمہاری پیٹ سے ہی ملزم اقرارِ جرم کر لے گا ورنہ تھوڑے بہت تشدد سے اصل حال معلوم ہو جائے گا۔ اس طرح جرائم کا انسداد بھی ہو جائے گا اور جھولیاں بھی بھر لو گے۔ اگر خدانخواستہ کوئی مقابلہ پر اتر آئے تو خان صاحب کی طرح مقابلہ نہ کرو بلکہ شیخ صاحب کی طرح فوراً مو نچھیں نیچی کر لو۔ اور مناسب موقع تلاش کرو۔ اگر تمہارے سامنے بلوہ ہوتا ہو تو بلوائیوں میں کود پڑنا دانائی نہیں بلکہ وہاں سے کھسک جانا ہی عقل مندی ہے۔ جب بلوائی منتشر ہو جائیں تو بے شک ایک ایک کو باندھ کر سزا دو"۔

میں نے حوالدار صاحب کے ارشادات کو مقدس احکامات کی طرح سنا لیکن مخلوقِ خدا پر بلاوجہ ظلم کا جواز سمجھ میں نہ آیا تاہم بوقتِ ضرورت کام آنے کے لئے ان نصائح کو آویزہ گوش بنا کر رکھا اور تفتیش جرائم کا کام شروع کر دیا۔

دیوتائے عشق کی کارفرمائی کے باعث میرے پڑوس میں زہر خوانی کا ایک کیس ہو گیا۔ ایک عاشقِ قلاش محبوب کی فرمائش کو پورا کرنے کے لئے در در مارا پھرا کہ کہیں سے کچھ قرض مل جائے کسی نے عشق کا راستہ آسان کرنے میں اس کی مدد نہ کی۔ لاچار نوجوان نے اپنی بوڑھی پھوپھی کو دھتورے سے بے ہوش کیا اور نقدی اور زیورات اڑا کر دیوی کے بھینٹ کئے۔ معاملہ بہت صاف تھا عاشقِ حزیں کو جلد ہی محبت کا زیور (ہتھکڑی) پہنا کر منزلِ محبوب یعنی جیل میں پہنچا دیا گیا۔

اس مقدمے سے فارغ ہوا تھا کہ آدھی رات کو مخبری ہوئی بردہ فروشوں کا ایک گروہ ایک خالی بنگلے میں شب باش ہے۔ اور اس کے ہمراہ اغواء شدہ عورتیں ہیں۔ اسی وقت پولیس کی جمعیت کو ساتھ لیا اور بندوق سنبھال کر چل دیا۔ تلاش کرنے پر دیکھا کہ ایک حسینہ، جس کا جسم چاندی سے میلا ہوتا تھا فرشِ خاک پر پڑی سو رہی ہے اور دو مشٹنڈے پہلو میں پڑے ہیں۔ تحکمانہ لہجے میں انہیں جگایا وہ ڈراؤنے خواب کی طرح چونک پڑے اور نکیرین کو سامنے دیکھ کر گھبرائے۔ میں نے کہا: "چلو یومِ حساب آگیا"۔

وہ اٹھے ہم انہیں لے کر تھانے آگئے۔ تینوں بھائی بہن کا رشتہ بتاتے تھے۔ میں نے کہا عورت کو ان سے الگ کر بٹھاؤ۔ تاکہ ان کا جادو اترے تو میں اپنا سر پھونکوں۔ مردوں کو حوالات میں بند کر دیا گیا اور عورتوں کو پہریدار کی نگرانی میں بٹھا کر میں سو گیا۔ صبح اٹھا تو معلوم ہوا کہ عورت پر پہرہ دار سپاہی نے ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے تھے وہ تو خیر ہوئی عصمت دری کی نوبت نہ آئی۔ ورنہ سپاہی کے گناہ پر افسر بھی غفلت کے الزام میں دھر لیا جاتا۔

ہیڈ کانسٹیبل اور سپاہی صبح سے لے کر شام تک عورت سے سر کھپاتے رہے مگر اس نے کوئی بات مان کر نہ دی۔ مردوں کو بھائی بتاتی رہی۔ اگرچہ میں تفتیشِ جرائم میں نوآموز تھا۔ لیکن واقعات شاہد تھے کہ عورت مغویہ ہے ورنہ اجرمی کوٹھی میں شب باشی کے کوئی معنی نہ تھے۔

میں نے بڑے یقین سے تفتیش سارجنٹ کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کی ابتدائی نصیحتوں کو میں نے دل میں جگہ دی ہے۔ لیکن میں کچھ کالا علم بھی جانتا ہوں کان میں وہ افسوں پھونکوں گا کہ عورت مینا کی طرح بولے گی۔

اس نے کہا: "حضور! اگر جنتر منتر سے کام چل جائے تو دردِ سری کیوں کی جائے"۔

میں اٹھا عورت کے کان میں اتنی بات کہی کہ میں کنوارا ہوں۔ تمہارا ان سے پیچھا چھوٹ جائے تو میرے گھر کی رانی بن کر رہو۔ سب نے دیکھا کہ جادو چل گیا۔ عورت کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں چمک آ گئی۔ اس نے ذرا اونچی آواز سے کہا کہ یہ تو مجھے بھگا کر لائے ہیں۔

میں نے شادی کا چکمہ دے کر اس کی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل کر دی۔ اب وہ چھم چھم کرتی تھانے میں ادھر اُدھر آزادی سے پھرنے لگی۔ حسن کے ساتھ تمکنت آ گئی۔ اور وہ چھوٹے درجے کے آدمیوں سے بڑے درجے کی عورتوں کی طرح گفتگو کرنے لگی۔

اگلے روز عدالت میں چالان پیش کرنا تھا۔ اس نے کپڑے بدلے۔ آنکھوں میں کاجل ڈالا اور بازار میں سے نور برساتی چلی۔ وہ کمرۂ عدالت میں اس شان سے پہنچی کہ مجسٹریٹ نے قلم ہاتھ سے رکھ کر اور عینک کو آنکھوں سے ہٹا کر بے ساختہ کہا: "ارے"۔

اگلے روز عدالت نے تاریخ دے دی تا کہ معلوم ہو سکے ملزم سابقہ سزا یافتہ تو نہیں مجھے ایک اور سرکاری کام کے لئے باہر جانا پڑا۔ میری غیر حاضری میں ملزم سزا پا گئے۔ مجھے امید تھی کہ عورت وارثوں کو واپس کر دی گئی ہو ی مگر معلوم ہوا کہ تھانے کا عملہ بردہ فروشی کا کام بھی سرانجام دے لیتا ہے۔ چنانچہ انہیں کے توسط سے گاؤ خورد ہو گئی۔

کیا تفتیش جرائم میں جھوٹ بولنا مناسب ہے؟ میری طبیعت پر بوجھ رہا کہ جو بات پوری کرنے کا ارادہ نہ تھا میں نے وہ کس طرح کہہ دی۔ اسی طرح ایک اور مقدمے میں میں نے قرآن کے بجائے تعزیرات ہند سر پر اٹھ کر ملزم سے اقبال جرم کرا لیا۔ سرکاری کام نکل گیا میری واہ واہ ہو گئی مگر طبیعت مدت بے اطمینان رہی۔ جو قرآن بتا کر تعزیرات ہند قسم کے لئے اٹھائے کیا ایسا شخص خدا کے غضب سے بچ سکتا ہے؟

ان دو مقدمات میں شانِ جمالی سے کام نکل گیا۔ ابھی شانِ جلالی کا ظہور باقی تھا۔ ایک گاؤں میں چوری کی رپٹ درج ہوئی کئی ہزار کا سرقہ بتایا گیا۔ علاقے کے مشہور بدمعاشوں کی فہرست ترتیب دی گئی تو معلوم ہوا کہ موقع واردات کے قریب ہی گاؤں میں ایک بڑا بدمعاش رہتا ہے باوجودیکہ میرے پاس کافی جمعیت تھی محض حماقت کر کے میں ایک کمزور سپاہی کو لے کر اس کی خانہ تلاشی کے لئے چل پڑا۔ وہ بدمعاش یا تو کھڑا تھا یا مجھے چڑانے کے لئے چارپائی پر دراز ہو گیا۔ میں کھڑا اور وہ لیٹا تھا اور لیٹے ہی لیٹے باتوں کا جواب دیتا رہا۔ گاؤں کے دو نمبردار موجود تھے۔ اس کی گستاخی دیکھ کر وہ شوخ ہو گئے۔

مجھے ہیڈ کانسٹیبل تفتیش یاد آیا۔ اگر چماروں اور چوکیداروں سے معاملہ شروع کرتا تو یہ مرحلہ پیش نہ آتا۔ میں شیخ صاحب بن کر بالکل نرم ہو گیا وہ بدمعاش اور بھی ماش کے آٹے کی طرح اکڑ گیا اور نمبردار بھی میرے حال پر ہنسنے لگے۔ بدمعاش کہنے لگا:

"تھانیدار صاحب! تمہارے جیسے بیسیوں ہمارے شاگرد ہیں۔ ہمارے چرن لگے رہو گے تو تھانیداری کر سکو گے ورنہ اللہ بیلی کر دیئے جاؤ گے!"

میں نے اندازِ گفتگو اور بھی بہتر بنایا اور کہا: "بے شک اسی لئے تو میں تمہارے مکان پر حاضر ہوا ہوں تمہاری امداد کے بغیر اس کام میں کامیابی کیسے ممکن ہے!"

وہ اس خوشامدانہ بات سے بن پیئے جھوم گیا۔ لاف زنی کرتا ہوا آہستہ آہستہ میرے ساتھ ہولیا۔ میں اس کے عالمگیر کارناموں کی داد دیتا ہوا موقعِ واردات تک لے آیا۔ وہاں چار پانچ سپاہی موجود تھے۔ میں نے کہا: "لو بھئی اب کان پکڑلو!"

وہ میری طرف کمال استغنا سے دیکھ کر کہنے لگا: "تھانیدار صاحب! ہمارے ساتھ ایسی باتیں؟"

اب بھیڑ بھیڑیا بن چکی تھی۔ مجھے مزید خوشامد کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی گستاخی پر میں خون کے گھونٹ پی رہا تھا آؤ دیکھا نہ تاؤ تڑاخ سے اس کے منہ پر چپت لگائی۔ میرا ہاتھ ہلانا تھا کہ سپاہیوں نے جوتے اٹھالئے لے تیری کی دے تیری کی شروع ہو گئی علاقے کے بڑے بدمعاش کو پٹتا دیکھ کر عورتوں نے گھروں کے دروازے بند کر کے بچوں کو چھاتیوں سے لگا لیا۔

بدمعاش کی تواضع جاری تھی۔ بڑی اکڑی گردن کا آدمی، کان پکڑنے سے برابر انکار کرتا رہا۔ مگر تابکے مرتا کیا نہ کرتا رات کے بارہ بجے کان پکڑلئے۔ کان تو پکڑلئے مگر بات مان کر نہ دی۔ اس تشدد کے بعد مقصد حل ہوتا نہ دیکھ کر میں اس سے مایوس ہو گیا۔ لیکن علاقے کے ذیلدار نے بتایا کہ اس کی ایک داشتہ ہے جس کا اس پر بڑا اثر ہے میں نے صبح اسے بلایا وہ مجھ سے ایسی مرعوب ہو گئی کہ آتے ہی کہنے لگے: "مجھ پر ہاتھ نہ اٹھاؤ مال مسروقہ میں لائے دیتی ہوں"۔

کیا کہوں عورت کی زبان میں کیا جادو تھا ایک دفعہ کہا کہ مال دے دو بدمعاش نے دوسری بات نہ کی نہ صرف وہ سامان بلکہ ایک اور بھی مقدمے کا مال برآمد کرا دیا۔ اس واردات میں اس کے اور شریک کار بھی تھے انہوں نے مجھے کئی ہزار رشوت دینا چاہی۔ اس گروہ نے علاقے بھر کو لوٹ رکھا تھا۔ ان کے حال پر رحم مخلوق خدا پر ظلم تھا۔ رشوت اور سفارش سے بے پرواہ ہو کر میں نے چالان کر دیا۔ مجسٹریٹ نے میری دیانتداری کی بے حد تعریف کی۔ اس گروہ کی سزایابی سے سرقے کی وارداتوں میں کسی قدر کمی ہو گئی۔

ایک روز میں نماز فجر سے فارغ ہو کر بیٹھا ہوا تھا کہ مقامی گورنمنٹ اسکول کا ایک بوڑھا سکھ ٹیچر آگیا ان صاحب کو میں نے اکثر کورٹ انسپکٹر کے پاس دیکھا تھا۔ ہمارے کورٹ انسپکٹر زندہ دل بزرگ تھے۔ ماسٹر مذکور آتے ہی میرے پاؤں پڑ گیا۔ زار و قطار رونے لگا۔ میں حیران تھا کیا معاملہ ہے۔ آخر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی شعلہ رو آوارہ مزاج عورت سے راہ چلتے ماسٹر جی کا دل مل گیا اور وہ اس جوالی مکھی کو گھر لے آئے اور قیمتی ساڑھیاں اور عمدہ زیورات مہیا کئے۔ سات روز میں ڈھائی ہزار خرچ اٹھا۔ وہ گھر والی بن بیٹھی۔ اور یہ خوشی خوشی لڑکے پڑھانے مدرسے چلے گئے۔ پیچھے وہ تین ہزار نقد لے کر دروازے چوپٹ چھوڑ کر چلی گئی۔ ماسٹر جی آئے تو حسینہ ندارد! بھاگے لپکے ادھر اُدھر گئے آخر عورت کا سراغ پا لیا۔ اس کے متعلق معلوم ہوا کہ اسی طرح وہ کئی ایک کو بدھو بنا چکی ہے۔ ماسٹر جی اس کا آخری شکار تھے۔

میں نے کہا! "اچھا پرچہ دلاتا ہوں"۔ وہ پھر پاؤں پڑ گیا اور کہنے لگا: "خدا کے واسطے مجھے تعویذ دو!"

میں نے تعجب سے پوچھا: "کیسا تعویذ؟"

اس نے کہا: "جو کورٹ انسپکٹر کو بتایا تھا"۔

میں نے حافظے پر زور دیا تو یاد آیا کہ میاں بیوی کی لڑائی میں یونہی اناپ شناپ تحریر بطور تعویذ میں نے کچھ دن پہلے ایک شخص کو دی تھی اور اتفاق سے وہ معاملہ سلجھ گیا تھا اس واقعے کا ذکر میں نے مذاقاً کورٹ انسپکٹر صاحب سے بھی کیا تھا۔

میں نے ماسٹر صاحب سے ہزار کہا کہ میں تعویذ کا قائل ہوں نہ دیتا ہوں مگر وہ نہ مانا بلکہ پہلے سے زیادہ اصرار کرنے لگا۔ آخر مجبور ہو کر میں نے تعویذ لکھ دیا اور وہ دعائیں دیتا ہو چلا گیا۔ اس تعویذ کے بھروسے پر وہ سیدھا اُس عورت کے گاؤں میں گیا اور ایک خنجر آب دار اُس کے حضور پیش کر کے کہا کہ یا مجھے قتل کر یا جینے کی اُمید دلا۔

ماسٹر جب اس تعویذ کے بل بوتے پر شاعری کر چکا، تو عورت نے بلائیں لیں، خنجر لے کر صندوق میں رکھ دیا اور اچانک پلٹ کر ماسٹر صاحب کے گلے میں اُنہی کی پگڑی ڈال کر چور چور کا شور مچا دیا۔ جب عورت نے یہ قیامت ڈھائی، تو ماسٹر صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

شور سُن کر جو آیا، اُسی نے ڈاڑھی کھینچی اور لٹھ برسایا۔ ماسٹر صاحب کی وہ پٹائی ہوئی کہ محبت کا سبق بھول کر توبہ توبہ کرنے لگے۔ معاملہ پولیس تک پہنچا۔ تو بیان دیا کہ چوہدری افضل حق کا تعویذ لے کر آیا تھا، شاید تعویذ ذرا تیز ہو گیا، اس لیے بات بگڑ گئی۔

ان ہی ایام میں لدھیانے کے ریلوے ورکشاپ میں مزدوروں نے ہڑتال کر دی۔ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں کوئی سر پھرا ریلوے کو نقصان نہ پہنچائے، اس لیے میں لائن کے ساتھ ساتھ گشت کو نکلا پولیس ماتحتوں کی مختصر جمعیت میرے ہمراہ تھی۔ لودھیوال کے قریب ایک لاش پائی گئی۔ ہزار ٹکریں ماریں، مگر اُس کا کوئی وارث دستیاب نہ ہوا۔ لاش ڈاکٹری معائنے کے لیے بھیج دی گئی۔ ڈاکٹری رپورٹ سے معلوم ہوا کہ موت زہر خوانی سے واقع ہوئی ہے۔

سال کی ابتدا تھی ۳۰۲ کا پرچہ دینا پڑا۔ سال کے شروع میں سنگین واردات کا اندراج تھانے کی کارکردگی کے لیے منحوس سمجھا جاتا ہے۔ بڑی بھاگ دوڑ کی، مگر کوئی سراغ نہ ملا کہ لاش کس کی ہے اور یہاں پہنچی کیسے، چنانچہ اپنا علاقہ چھوڑ ملحقہ تھانہ جات اور اضلاع میں بھی تحقیقات ضروری سمجھی گئی۔

سب انسپکٹر انچارج، متعدد ڈکیتیوں کی تفتیش پر لگے ہوئے۔ کئی ماہ کے بعد تھانے آئے اور اُسی روز تھانہ پھلور کے علاقے میں روانہ ہو گئے۔ وہ گرانڈیل جوان تھے، لیکن ذرا پیٹ بڑھا ہوا تھا۔ شام کے قریب ایک ٹم ٹم پر سوار ہو کر واپس لوٹے۔ اُنہیں مہاجن سمجھ کر ڈاکوؤں کا گروہ اچانک حملہ آور ہوا۔ ایک ڈاکو نے حوصلے سے آگے بڑھ کر بندوق ہاتھ سے چھیننا چاہی۔ دونوں میں کش مکش جاری ہو گئی۔ باقیوں نے لاٹھیوں سے حملہ کر دیا۔ ایک سپاہی اور ہیڈ کانسٹیبل ہمراہ تھے۔ وہ تو گرم سرد دیکھ کر بھاگ نکلے۔ سب انسپکٹر مرد خدا خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک ڈاکو بندوق کی نالی کے سامنے آ کر سر پر ضرب کاری لگانا چاہتا تھا کہ سب انسپکٹر نے بندوق چلا دی، چھرے سینہ کو چھلنی کر گئے۔ وہ لوٹنی کھا کر گرا، پھر سنبھلا اور جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ اُس کے باقی ساتھیوں نے بندوق

حرفِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔

سید محمد ذوالکفل بخاری۔

سر محمد اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی

مرتب: سید شفقت رضوی

ناشر: ادارہ تحقیقات افکار و تحریک ملی ۹/۱ علی گڑھ کالونی۔ کراچی

ضخامت: ۱۴۴ صفحات کتابت، طباعت: عمدہ قیمت: ۶۰ روپے

مرحوم آغا شورش کاشمیری نے کیا پتے کی بات کہی تھی کہ

"اقبال وہ شبلی نعمانی ہے جسے کوئی سلیمان ندوی نہ ملا"!

یہ واقعہ بھی ہے اور حادثہ بھی۔۔ کہ تاریخ کی اکثر عظیم شخصیات، مظلوم ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں اس ضمن میں جہاں اور بہت سے نام سامنے آتے ہیں وہیں علامہ اقبال مرحوم بھی اس المیے سے مستثنیٰ نہیں۔ اقبال پرستی کی ایک خاص فضا تیار کر کے یہاں اقبال فروشی کے کاروبار چمکائے گئے۔ اقبال کے افکار و آثار مسخ اور مجروح شکل میں اس دھڑلے سے اور اس تکرار سے عام کئے گئے کہ حقیقی اقبال کی بازیافت کار دشوار ہو گئی۔

اس پس منظر میں، پیش نظر کتاب کو لیجئے تو ہماری ملاقات اس مجموعہ مکاتیب میں اس اقبال سے ہوتی ہے جو دینی علوم و افکار کی طلب اور لادینی علوم و افکار کی تردید میں سراپا جستجو اور سراپا اضطراب ہے۔ وہ مولانا سلیمان ندوی کو "استاذ کل" اور علوم اسلامی کے جوئے شیر کا فرہاد" مان کر استفادہ کی نئی نئی راہیں دریافت کرتا اور ان پر سیر و سفر کرتا چلا جاتا ہے۔

اس مجموعہ میں شامل پہلا خط یکم نومبر ۱۹۱۶ء کو اور آخری خط ۷۔ اگست ۱۹۳۶ کو لکھا گیا ہے۔ بیس برس کے تعلق خاطر کے آئینہ دار یہ ۷۰ خطوط مولانا سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ کے کاغذات میں بالکل محفوظ پڑے رہے اور بالآخر ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ میں بچکا شائع ہوئے۔ اب انہی خطوط کو نئے اہتمام اور حسن و خوبی کے ساتھ کراچی سے جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کی نگرانی میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

ان خطوط کے مطالعے سے جہاں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کی شخصیتوں کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے وہیں بے شمار لسانی، علمی، تہذیبی، سیاسی، تاریخی اور فقہی مسائل کی حقیقت کھلتی ہے۔ اس لئے ان مکاتیب کا صحیح لطف کسی مبصر کے توسط سے حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ مجموعہ بالاستیعاب مطالعے کا مقتضی ہے۔

مہدی معاویہ
ملتان

چمن چمن اُجالا

مجلس احرار اسلام پاکستان کے جنرل سیکرٹری سید عطاء المحسن بخاری نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے صدر کا دوسری بار
اسمبلیاں توڑنا موجودہ نظام ریاست و سیاست کے ناکام ہونے کی واضح دلیل ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے لیکر آج تک حکمران اور سیاست یہی مکروہ کھیل کھیلتے آئے ہیں۔ مسلسل تجربات کی روشنی میں ہم پھر اپنے اس مؤقف کا اعادہ کرتے ہیں کہ "جمہوریت" کا نظام مسلمانوں کا نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کے ابلیسی ذہن کی اختراع ہے۔ اس نظام ریاست کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف پاکستان بلکہ جہاں بھی مسلمانوں نے اس نظام کو اپنایا انہیں سیاسی استحکام نصیب نہیں ہوا۔

اور وہ کفار و مشرکین کے پیہم ظلم و ستم کا شکار ہیں بلکہ تفریق و انتشار میں مبتلا ہیں۔ ہمارے ملک کے بد کردار سیاست دان اصل مجرم ہیں۔ جن کی مفاد پرستانہ سوچ نے حکمرانوں کو من مانیاں کرنے کے کھلے مواقع فراہم کئے ہیں۔ ملک میں سیاسی عدم استحکام انہی کے اعمالِ بد اور اختیارات کے ناجائز استعمال کا نتیجہ ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے حکمران اور سیاست دان بیرون ملک تیار ہونے والی سازشوں کی تکمیل کے لئے زندہ ہیں۔ پی ڈی اے اور این ڈی اے کی قیادت کل تک آٹھویں ترمیم کے خاتمے کے لئے کوشاں تھی گویا ملک کا سب سے اہم مسئلہ ہی یہ تھا مگر آج صدر کے پہلو میں بیٹھ کر ملک کی سیاسی تباہی پر بغلیں بجا رہی ہے۔ خود نواز شریف پی ڈی اے کی سازش کے شکار ہوئے اور صدر کے خلاف محاذ آزادی میں آپے سے باہر ہوگئے۔ اندرونی طور پر حزب اختلاف کا حلیف بننے کی کوشش کی۔ بے نظیر کو بے وفائی کا طعنہ دینے کی بجائے نواز شریف کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے کہ جس جماعت کو وہ ملک دشمن، غدار اور بھارتی ایجنٹ قرار دے چکے ہیں۔ آخر وہ کون سے مفادات اور عوامل تھے جو "ملک دشمن" اور "محب وطن عناصر" کو ایک دوسرے کے قریب لے آئے پھر انہوں نے کس کے کہنے پر بے نظیر سے وفا کی امیدیں قائم کیں۔ اس سازش کا منطقی نتیجہ سامنے ہے اس لئے نہ تو بے وفائی کے طعنے کا کوئی جواز ہے اور نہ اس حادثہ پر سیخ پا ہونے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک صدر مملکت کا تعلق ہے تو انہوں نے ملکی وقار کو شخصی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اور یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں بلکہ پنتالیس برس سے ہمارے ہاں یہی حادثے ہوتے چلے آئے ہیں۔ صدر کے اس اقدام سے نہ تو نام نہاد جمہوریت بچی ہے اور نہ سیاست دان نئے جنم میں آئے ہیں بلکہ ملک ایک خوفناک سیاسی و اقتصادی بحران کا شکار ہو گیا ہے۔

اب نئے انتخابات پر قوم کا اربوں روپیہ خرچ ہوگا اور پھر جھرلو کی سیاست سے صنعتکار کی جگہ جاگیرداروں کو لایا جائیگا۔ موجودہ سیاسی قیادت، پی ڈی اے، این ڈی اے اور آئی جے آئی ہر گز غریبوں کی نمائندہ نہیں بلکہ بدترین جاگیردار ہیں ان کے اپنے علاقوں میں برسوں سے غریب پس رہے ہیں جو ان کی حالت نہیں سدھار سکے وہ

ملک کی حالت کیونکر سدھاریں گے۔ خود نگران وزیراعظم بھی ظالم جاگیرداروں میں سے ایک ہیں۔ نواز شریف حکومت اگر نفاذ اسلام کا اپنا وعدہ پورا کرتی تو اسے یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

حزب اختلاف کی سیاست لٹیروں اور بھیڑیوں کی سیاست ہے۔ ان میں شرافت نام کی کوئی شئے ہوتی تو صدر غلام اسحاق خان کی "بد عملی" پر سراپا احتجاج بن جاتے اگر صدر اسحاق بے نظیر کے دور کو تباہی سے دو چار کرتے ہیں تو وہ غیر جمہوری "فعل" ہوتا ہے۔ نواز شریف کی حکومت آٹھویں ترمیم کی زد میں آئے تو عین جمہوری "فعل" ہے۔ اور سیاست دانوں کی طرف سے صدر سے اسمبلی توڑنے کا مطالبہ بھی جمہوری فعل ہے۔ ہم اسی لئے تو اس نامراد جمہوریت کے دشمن ہیں کہ اس کا سر پیر کوئی نہیں اور نہ ہی اس کے دعویداروں کی کوئی سی روش شبہ یفانہ ہے۔ خود غرضی، اقتدار پرستی اور لوٹ کھسوٹ ان کا شیوہ ہے۔ چار دن پہلے کہتے ہیں آٹھویں ترمیم ختم کرو چھٹے دن بعد اسی منہ اور زبان سے فرماتے ہیں "میں حیران ہوں صدر اسمبلیاں کیوں نہیں توڑتے؟ دوغلے پن، اور اسی بے ہودہ گوئی کا نام جمہوریت ہے تو یاد رکھئے یہ جمہوریت یہودیت سے کسی صورت کم نہیں۔ اس ملعون نظام ریاست نے ہم سے راست بازی، استقامت اور انسانی شرافت تک چھین لی ہے۔ اس بے حیا جمہوریت نے انسان کو گرگٹ بنادیا ہے۔ ہر لمحے رنگ، روپ، عادت، زبان اور بولی بدلتے رہنا سکھا دیا ہے۔ یہ نظام یہودیوں اور عیسائیوں کے ذہن کی پیداوار ہے۔ جیسے وہ گندے ہیں ویسے ہی نظام بھی گندا ہے، جھوٹ بولنے والے پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔ لمحہ لمحہ، پل پل، جمہوریت کے پیروکار بھی دھوپ چھاؤں کی طرح بولی بدلتے اور جھوٹ بولتے ہیں۔ جن لوگوں پر لعنت برستی ہو وہ رحمت بھرا نظام کیسے دے سکتے ہیں! وہ لوگ جو ملک و قوم سے محبت رکھتے ہیں اور اس کی بقا چاہتے ہیں۔ اس قسم کی سیاست اور جمہوریت سے بے زار ہیں۔ وہ انقلاب چاہتے ہیں اور ملک کے تمام شعبوں کی تطہیر چاہتے ہیں۔ اللہ کرے وہ اٹھ کھڑے ہوں اور موجودہ نظام سیاست کے خلاف جہاد کا ناموس بجا دیں۔ یہی ایک راستہ ہے اور یہ نبی ﷺ کا راستہ ہے۔ اس پر چل کر ہی امن، استحکام اور ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔

○

ربوہ

حبیب اللہ رشیدی

- شہداء ختم نبوت کا مشن جاری رہے گا۔
- قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں۔
- جو حکومت قادیانیوں کو تحفظ دے گی تباہ ہو جائے گی۔

(مسجد احرار ربوہ میں منعقدہ پندرہویں سالانہ شہداء ختم نبوت کانفرنس سے احرار رہنماؤں کا خطاب)

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام پاکستان کے زیر اہتمام حسب سابق پندرہویں سالانہ شہداء ختم نبوت کانفرنس مسجد احرار ربوہ میں منعقد ہوئی۔ ملک بھر سے سرخیلان احرار جوق در جوق کانفرنس میں شریک ہوئے اور احرار رہنماؤں کے خطبات و بیانات کو بڑے ذوق و شوق سے سنا۔ کانفرنس کی ابتدائی نشستوں سے مرکزی مبلغ احرار مولانا محمد مغیرہ، مولانا محمد اسحاق سلیمی، ابوسفیان تائب اور قاری محمد یامین گوہر نے عقیدۂ ختم نبوت، حیات مسیح علیہ السلام، فتنہ قادیانیت کے برگ و بار اور اس فتنہ کے محاسبہ و تعاقب کے سلسلہ میں اسلاف

احرار کی بے پناہ جدوجہد جیسے اہم موضوعات پر اظہار خیال کیا۔ عصر حاضر میں مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور فتنہ مرزائیت کی سرکوبی کی ضرورت پر مقررین نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ خطاب کیا۔ انہوں نے اس خیال کو غلط قرار دیا کہ مرزائیت کا فتنہ ختم ہوچکا ہے۔ اور پاکستان میں آئینی فیصلے کے بعد اب اس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ مقررین نے کہا کہ مرزائی زیر زمین سازشوں میں مسلسل مصروف ہیں۔ حکومت کی سرد مہری اور مجرمانہ غفلت کے باعث وہ ارتداد کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ مقررین نے مطالبہ کیا کہ حکومت قادیانیوں کی ملک اور دین دشمن سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے اور انہیں کفر و ارتداد کی تبلیغ سے روکے۔

کانفرنس کی دوسری اور آخری نشست نماز جمعہ سے قبل شروع ہو کر نماز عصر کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے مرکزی امیر شیخ الشائخ حضرت خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ نے اس نشست کی صدارت فرمائی اور نماز جمعہ کی امامت بھی فرمائی۔ اس نشست سے مرکزی قائم مقام امیر ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری، حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا اللہ یار ارشد اور سید کفیل بخاری نے خطاب کیا۔

حضرت سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہ نے اپنے طویل اور مدلل خطاب میں قادیانیوں کے دجل و فریب، داخلی و بیرونی سازشوں، پاکستان کے نظام ریاست و سیاست اور اس کے نقصانات کا تفصیلی جائزہ لیا۔ انہوں نے دنیا بھر میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کو یہودی و نصرانی سازش قرار دیا اور نظام جمہوریت کو مسلمانوں کے لئے زہر قاتل قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ اسی نظام کفر کو پاکستان پر مسلط کرنے کا نتیجہ ہے کہ قادیانی کھل کھیل رہے ہیں۔ اس لئے کہ جمہوری نظام میں کافر و مشرک، مرتد اور مسلمان حقوق کے اعتبار سے برابر ہیں۔ لیکن اسلام میں ان کے لئے ایک حد مقرر کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجلس احرار اسلام نے ۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کو جس جرأت اور ہمت سے چلایا وہ تاریخ کا زریں باب ہے۔ مجلس احرار اسلام کے اکابر اور کارکنوں نے اپنے خون سے دین کی سرحدوں کی حفاظت کی ہے۔ ہم اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ اور اس کو دین سمجھتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ جماعت احرار کے ماضی، حال اور مستقبل پر روشنی ڈالی اور اغراض و مقاصد بیان کئے۔

انہوں نے کہا کہ مصور پاکستان علامہ اقبال نے قادیانیوں کو ملک و ملت کا غدار قرار دیا مگر اقبال کے خوابوں کی تعبیر "پاکستان" کی حکومت انہیں محب وطن قرار دے رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی جب رسول اکرم ﷺ کے وفادار نہیں ہیں تو ملک و قوم کے وفادار کیسے ہوسکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جو حکومت بھی قادیانیوں کو تحفظ دے گی، تباہ ہوجائے گی۔

ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے اپنے مختصر خطاب میں شہداء ختم نبوت کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ آج بھی دین کی سرحدیں غیر محفوظ ہیں اور ان کی حفاظت کے لئے ہمیں شہداء ختم نبوت کا چلن اختیار کرنا ہوگا۔ کوئی بھی نظریہ ایثار و قربانی کے بغیر پروان نہیں چڑھتا۔ انہوں نے واضح طور پر کہا کہ شہداء ختم نبوت اگر جمہوریت پر یقین رکھتے تو ہرگز اتنی بڑی قربانی نہ دیتے۔ وہ صرف اور صرف اسلام پر یقین رکھتے تھے اور اسی پر مرنا ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ وہ ہمیں جس راہ پر ڈال گئے ہیں ہم

اس پر چلنا چاہتے ہیں اور اسی راہ میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

آخر میں مولانا اللہ یار ارشد نے کانفرنس کے عظیم اجتماع میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی ملک و ملت دشمن سرگرمیوں اور حکومت کی مجرمانہ غفلت پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے درج ذیل قرار دادیں منظور کیں۔

۱۔ قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی ارتدادی سرگرمیوں کے انسداد کے لئے موثر اقدامات کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے مطابق ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے۔

۲۔ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا اضافہ کیا جائے۔

۳۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی رجسٹریشن منسوخ کر کے اس کی تمام منقولہ و غیر منقولہ املاک بحق سرکار ضبط کی جائے۔

۴۔ ربوہ کے پہاڑی مزدوروں کو فاقہ کشی، بے روزگاری اور خانہ بدوشی سے بچانے کے لئے حکومت موثر اقدامات کرے۔

۵۔ بوسنیا، فلسطین، الجزائر اور کشمیر میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کے خاتمہ کے لئے تمام وسائل صرف کرے۔

۶۔ روزنامہ الفضل ربوہ کا ڈیکلریشن منسوخ کر کے ضیاء الاسلام پریس ضبط کیا جائے۔

۷۔ حکومتی ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹیلی ویژن کے ذریعے توحید و ختم نبوت ﷺ، عظمت صحابہ و اہل بیت کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام کرے۔

۸۔ حکومت قادیانی عبادت گاہوں کی مسجد نما شکل و صورت تبدیل کرائے تاکہ دجل و فریب کا خاتمہ ہو۔

۹۔ ربوہ سے پرائیویٹ قادیانی عدالتیں ختم کی جائیں۔

۱۰۔ کلیدی عہدوں خصوصاً پاک فوج سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے کیونکہ قادیانی جہاد کے منکر ہیں۔

۱۱۔ چنیوٹ کو ضلع بنا کر ربوہ کو تحصیل کا درجہ دیا جائے۔

صاحب صدر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم کی رقت انگیز دعاؤں کے ساتھ کانفرنس اختتام پہنچی۔

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر

مصنف: مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مقدمہ: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

جس میں واقعہ کربلاء سے متعلق افسانوی کہانیوں کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے

تاریخ و سیرت سے دلچسپی رکھنے والے ہر باذوق قاری کے لئے انتہائی اہم کتاب

قیمت ۶۰ روپے

بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

راوی پبلشرز۔ الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

حلقۂ احباب

ممتاز مزاح نگار کرنل (ریٹائرڈ) محمد خان کا ایک مکتوب

ہمارے رفیق فکر محمد عمر فاروق، مصنف کتاب مولانا گل شیر شہید) نے ممتاز مزاح نگار کرنل محمد خان کو اپنی یادداشتوں کے حوالے سے مولانا محمد گل شیر شہید اور حضرت امیر شریعت کی شخصیت پر مضمون تحریر کرنے کیلئے ایک مکتوب لکھا، کرنل صاحب کا جوابی مکتوب ان صفحات میں اس لئے شائع کیا جارہا ہے۔ تاکہ ریکارڈ میں محفوظ رہے (ادارہ)

محترم۔ السلام علیکم!

حضرت مولانا محمد گل شیر خاں شہید رحمتہ اللہ علیہ کے ضمن میں میری یادوں کا خانہ بالکل خالی ہے۔ دراصل میں ۱۹۴۰ء میں فوج میں چلا گیا اور پھر ۱۹۵۲ء تک افریقہ برما اور قبائلی علاقوں میں قیام رہا۔ کبھی چند روز کے لئے گاؤں چھٹی پر آیا تو حضرت شہید کا نام کانوں میں پڑتا رہا لیکن کبھی ان سے ملاقات یا زیارت کا اتفاق نہ ہوا۔

کالج کے دنوں (۱۹۳۴ء ۔ ۱۹۳۷ء) میں حضرت امیر شریعت کے جلسہ میں ایک دفعہ جانے کا اتفاق ہوا لیکن سوائے اسکے کچھ یاد نہیں کہ ایک انبوہ کثیر انہیں سننے آیا تھا۔ اور جہاں ہم چند طلباء بیٹھے تھے۔ وہاں سے شاہ صاحب کا چہرہ مبارک صاف نظر آرہا تھا۔ اور یہی ہماری آرزو تھی کیونکہ ہم تو تقریر سننے سے زیادہ انہیں دیکھنے کے آرزومند تھے۔

والسلام
خیراندیش محمد خان

○

محترم: السلام علیکم!

امیر شریعت نمبر شائع کر کے آپ نے تاریخ کا انتہائی قیمتی ورثہ نہ صرف محفوظ کیا ہے بلکہ نئی نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کیا ہے۔ بلاشبہ آپ نے مجلس احرار اسلام کو دوام بخشا ہے۔ اگرچہ آپ کی ذاتی محنت اور خلوص نے اس میں رنگ بھرا ہے مگر حضرت سید عطاء المحسن بخاری کی سرپرستی نے تحریر کے میدان میں آپ کو ایک انمول ہیرا بنا دیا ہے۔ اس عظیم خدمت پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے رفقاء کو نظر بد سے بچائے اور جماعت کیلئے اسی جانفشانی اور خلوص سے محنت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

والسلام
چودھری بشارت علی (صادق آباد)

○

مکرم: السلام علیکم!

ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا امیر شریعت نمبر میرے زیر مطالعہ ہے۔ ہر مضمون میں ایک دل کشی ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ بے شمار واقعات پہلی مرتبہ میرے مطالعہ میں آئے جن سے ذہن کو جلا اور دل کو

خوشی میسر آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت کو قبول فرمائے (آمین)

والسلام

دوست محمد گھلیجہ

(بستی مولویاں۔ رحیم یار خان)

مدیر محترم: سلام مسنون!

امیر شریعت نمبر موصول ہوا۔ اتنے عظیم کام کو مکمل کرنے پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطاء فرمائے۔ زندہ قومیں عظیم روایات کو ہمیشہ زندہ رکھتے ہوئے اپنے قدم آگے بڑھایا کرتی ہیں۔ حقیقتاً آپ نے آئندہ نسل پر احسان کیا ہے۔ شاہ جی کے حالات زندگی پڑھ کر کم ہمت لوگوں میں جدوجہد کرنے کا حوصلہ بڑھتا ہے اور زندگی کی نئی شمع روشن ہوجاتی ہے۔

والسلام

مشتاق احمد (ابوہریرہ سٹریٹ، جھنگ)

محترم کفیل بخاری صاحب: سلام مسنون!

اتنا خوبصورت امیر شریعت نمبر نکالنے پر آپ ہماری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔ آپ کی یہ علمی کاوش یقیناً ارباب علم ودانش سے دادِ تحسین پائے گی۔

والسلام

رشید الدین احمد

لائبریرین

(ہمدرد یونیورسٹی لائبریری۔ کراچی)

(جھوٹے) مسیح موعود اور مہدی کی پولیس کے ہاتھوں پٹائی اور معافی ناموں پر دستخط

مکرمی و محترمی: سلام مسنون!

گزشتہ دنوں یہاں بڑا عجیب اور دلچسپ واقعہ پیش آیا ہے۔ دو اشخاص نے بالترتیب مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ لوگوں نے فوراً پولیس کو اطلاع کر دی جس کے نتیجے میں انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ دونوں جھوٹوں نے پانچ پانچ "لتر" کھانے کے بعد پولیس سے معافی مانگ لی اور اپنے دعویٰ سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحریری وعدہ کیا کہ ہم آئندہ ایسی جسارت نہیں کریں گے۔ یہ واقعہ قادیانیوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ کہ انکے "مسیح موعود" مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی انگریزوں کے قصیدے لکھے اور فرنگی اقتدار کو سلامی دی تھی۔ کیا یہ واقعہ اسی مشن کا تسلسل تو نہیں؟

والسلام

قاری نذیر احمد

(خطیب مکی مسجد بھمبر۔ آزاد کشمیر)

نئے یورپ کی درخشندہ صبحیں
یا
عیسائیت کی بالادستی

جنوری ۱۹۹۳ء کے ریڈرز ڈائجسٹ میں "نئے یورپ کی درخشندہ صبحیں" (A NEW EURPOE DWNS) کے عنوان سے جان ڈائسن (JOHN DYSON) کا ایک فکر انگیز مضمون جو مُدیر کی رائے میں "انتہائی اہمیت کا حامل اور کتابچے کی شکل پانے کا متقاضی ہے" کے تبصرے کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کے بین السطور میں جو کچھ پنہاں ہے وہ ہم سب کیلئے لمحۂ فکریہ، باعث عبرت اور دعوت عمل ہے۔ اس مضمون پر معروف قانون دان چودھری محمد شفیق ایڈووکیٹ کی رائے اور تجزیہ ہدیہ قارئین ہے۔ اس اہم موضوع پر اگر قارئین اظہار خیال کرنا چاہیں تو ہمارے صفحات حاضر ہیں۔ علاوہ ازیں مضمون کا اصل عکس انگریزی میں اس تجزیہ کے آخر میں ساتھ دیا جارہا ہے کہ اہل دانش، ارباب اختیار اور علماء اس اہم مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرمائیں (ادارہ)

اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے رنگ، نسل، خطۂ زمین اور زبان وغیرہ کی بنیاد پر انسانوں کی تقسیم کو غیر شعوری قرار دیا۔ اس نے بجا طور پر شعوب و قبائل کو محض شناخت کی حیثیت تک محدود کرتے ہوئے فکر کی بنیاد پر ملت کی تشکیل کے نقطہ سے عالم انسانیت کو متعارف کرایا۔

و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (القرآن)

انسانوں کی تقسیم پہلی مرتبہ جبلتوں یا رسموں کی بجائے شعوری بنیاد پر قائم کی گئی اور کرۂ ارض پر بسنے والے انسان حزب اللہ اور حزب الشیطان کی ترتیب میں منقسم کئے گئے۔ لیکن مغربی فکر (کفر و الحاد) نے قومیت کے بت کو تراشتے ہوئے اسلامی فکر کو ناقابل عمل قرار دیا۔ کم و بیش پانچ صدیوں سے اس تراش خراش کے عمل نے بالاخر قوت کی بنیاد پر خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے ساتھ اپنی ہیت مکمل کی۔ عالم انسانیت نے اس فکر کی بنیاد کی پامالی کو بھی گزشتہ نصف صدی میں اپنی آخری شکل تک پہنچتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ کیا مغربی فکر اب اس اعتراف میں شرمندگی محسوس کر رہی ہے؟ کیا کرۂ ارضی کی تقسیم از سر نو پھر شعور کی بنیاد پر ہو رہی ہے؟ کیا اس تقسیم کی بنیاد اسلامی فکر پر رکھی جارہی ہے؟ کیا نیا عالمی نظام (NEW WORLD ORDER) اسی عمل کا جدید نام ہے؟ کیا بنیاد پرست کا اتہام اور نئے یورپ کی درخشندہ صبح کا قیام ایک دوسرے کی تائید کا دوسرا نام ہے؟ کیا نئے یورپ کی درخشندہ صبح عیسائیت کی بنیاد پر ایک نئی مملکت کے قیام کا عمل نہیں؟

یہ اور اس نوعیت کے بیشتر سوالات ارباب دانش کے نزدیک برسوں سے زیر غور ہیں۔ ذاتی حوالے سے مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ نیشنل سینٹر ملتان میں اقوام متحدہ کے یوم کی ایک تقریب میں راقم السطور نے "لیگ آف نیشنز" (LEAGUE OF NATIONS) اور اقوام متحدہ کو عیسائیت کی بازیافت اور بالادستی کی مخفی کو ششیں قرار دیا تھا۔ عیسائیت نے یورپ کے مخصوص نظام میں کلیا اور شہنشاہ کی باہمی آویزش کے نتیجے میں مذہب کو انفرادی عمل کے طور پر محدود کرتے ہوئے سیاست سے یکسر خارج کر دیا تھا۔ اور متبادل نظام کے طور پر سیکولرازم اور جمہوریت کی بنیادیں فراہم کی تھیں۔ طبقاتی اور جدلیاتی کشمکش کے نتیجے میں کمیونزم کا غلغلہ بھی کم و بیش ایک صدی تک جاری رہا اور اس دوران سرمایہ داری (CAPITALISM) اور اشتراکیت (COMMUNISM) کے ٹکراؤ کے ساتھ ساتھ سیکولرازم۔ جمہوریت اور فلاحی ریاست (SOCIAL STATE) کے نظریات پروان چڑھتے رہے۔ ہر مکتب فکر نے اپنے اپنے مقاصد کی آبیاری کیلئے دنیا کو کلچر، ثقافت اور لسانیات کی بنیاد پر اس طرح چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کیا کہ یہ تقسیم خود ان کے لئے سوہان روح ہو گئی اور انہیں طوعاً و کرہاً اس بنیادی اور فطری اصول کو تسلیم کرنا پڑا کہ نسل، رنگ، زبان اور خطۂ زمین کی بنیاد پر انسانی گروہوں کی تقسیم انسانیت کیلئے مضر ہے۔ لیکن برس ہا برس کے ترتیب دیئے ہوئے افکار پر مشتمل ردّی کے ڈھیر اور منفی انا نے انہیں کھلے دل سے اعتراف کی ہمت اور صلاحیت سے محروم رکھا۔ اور اس کے متبادل معاشیات کی بنیاد پر انہی مقاصد کو حاصل کرنے کی سعی جاری رکھی۔ امریکہ نے اسے نیو ورلڈ آرڈر (NEW WORLD ORDER) کا نام دیا اور یورپ میں اسے "نئے یورپ کی درخشندہ صبحوں" کے عنوان سے اپنایا گیا۔

قارئین محترم! وطن سے براعظم کی طرف یہ سفر قابلِ غور ہے اور یہ سفر صرف براعظم یورپ تک ہی محدود کیوں؟ اور براعظم یورپ میں بھی اس کی تحدید صرف عیسائی ریاستوں تک کس لئے ہے؟ آپ کے علم میں ہو گا کہ براعظم ایشیا کے ممالک چار بڑے ادیان تک محدود ہیں۔ میری مراد، اسلام، ہندومت، بدھ مت اور کنفیوشیزم (CONFUCIASIAM) سے ہے۔ لامحالہ یہ دینی اختلاف براعظم ایشیا میں کسی بھی درخشندہ صبح کے طلوع ہونے کے امکانات کو معدوم کرتا ہے۔ براعظم افریقہ بھی دو بڑے ادیان میں تقسیم ہے۔ میری مراد اسلام اور قبائلی رسمی عقیدت اور بعض خطوں میں (جہاں جہاں جنگ عظیم اول اور دوم کے نتیجے میں یورپی سامراج نے تصرف کیا) عیسائیت موجود ہے۔ یہی حال کم و بیش جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ ہاں! یورپ اور شمالی امریکہ میں یہ صبحیں ضرور طلوع ہو سکتی ہیں کہ وہاں کے باسیوں کی اکثریت عیسائیت سے وابستہ ہے۔ یورپ میں بھی اس صبح کو صرف اور صرف ان ریاستوں تک محدود رکھا گیا ہے جہاں عیسائیت اکثریت کا مذہب ہے۔ لیکن مذہب کے عنوان کو قائم کرنے سے گریز اسی پس منظر میں کیا گیا ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔

قارئین! آیئے مندرجات مضمون کی طرف۔

تمام تر سیاسی صدمات اور پیچیدگیوں کے باوجود بے شمار غیر حل شدہ تنازعات کے علی الرغم ایک ایسی واحد مارکیٹ کا قیام، جس کی سرحدیں نہ ہوں۔ نئے یورپ کی درخشندہ صبح سے عبارت کی گئی ہے۔ اس کے مقاصد میں

سب سے اہم ترین مقصد۔ کھلی سرحدوں کے ساتھ بارہ یورپی (مغربی یورپ کی عیسائی ریاستیں) ممالک پر مشتمل یورپئین کمیونٹی (EUROPEAN COMMUNITY) کے نام سے کارکنان، کاروباری حضرات، پیداوار اور سرمایہ کی ان ممالک کے مابین نقل و حرکت بغیر کسی کنٹرول کے جاری وساری رکھی جائے۔ جو بتدریج اُن ممالک کو قریبی بندھن میں پروتے ہوئے دنیا کی سب سے بڑی، امیر ترین اور انتہائی طاقتور تجارتی شراکت کے قائم کرنے پر منتج ہو۔ اور صدیوں کے کنٹرول پر محیط سرحدیں کھل جائیں۔ یہ یاد رہے کہ پچھلے سات برسوں میں کئی لاکھ برطانوی اور پرتگیزی نقل مکانی کر کے فرانس میں سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ فرانس اور برطانیہ کے درمیان تاریخی مخاصمت اب حرف غلط ہو چکی ہے۔ سولہویں صدی کی پرتگیزی، برطانوی، فرانسیسی اور نو آبادیاتی مقبوضات کے تصرف پر مبنی چپقلش اب قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ کھلی سرحدیں، نقل مکانی، کاروباری مراکز کے قیام اور تجارتی سہولتوں تک ہی محدود نہیں رہیں گی بلکہ بتدریج آبادیوں کے باہمی اختلاط، رشتے ناطے اور تعلقات کے قیام کا سبب بنتے ہوئے ہم آہنگی کو جنم دیں گی۔ اور ایسا بعید از قیاس بھی نہیں کیونکہ اس اشتراک میں شعوری طور پر ان خطوں کو منتخب کیا گیا ہے جو عقیدے کے اعتبار سے عیسائیت سے وابستہ ہیں۔ فاضل مضمون نگار، رنگ و نسل، زبان اور ثقافت کو اس تعاون میں کوئی بڑی رکاوٹ باور نہیں کرتے۔

اس منصوبے کا آغاز ۱۹۸۵ء میں ہی ہو گیا تھا اور نو ممالک کے درمیان ابتداء میں (SHANGAIN AGREEMENT) شنگین ایگریمنٹ عمل میں آیا۔ موجودہ یورپی کمیونٹی (بارہ عیسائی ممالک) کا قیام اس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ جس میں ۱۹۹۵ء تک پہلے سے قائم شدہ یورپین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن (EUROPEAN FREETRADE ASSOCIATIO) کے ممالک سویڈن، فن لینڈ، آئس لینڈ، آسٹریا، سوئٹزر لینڈ اور ناروے وغیرہ بھی شامل ہو جائیں گے۔

اس کے بعد U SS R) روس سے علیحدہ ہونے والی وہ مشرقی عیسائی ریاستیں بھی شریک ہو جائیں گی۔ جن کا انتظار یورپین کمیونٹی کے قیام کے معاہدے میں طے کیا گیا ہے۔

قارئین! اس طور کم و بیش موجودہ بائیس عیسائی ریاستیں اس صدی کے ختم ہونے تک کھلی سرحدوں کے ساتھ مذہب کا نام لئے بغیر معاشیات کی بنیاد پر ایک لڑی پروئی جا چکی ہوں گی۔ یہ ذہن میں رہے کہ یہ کھلی سرحدیں صرف یورپین (عیسائیت) تک ہی محدود ہیں۔

فاضل مضمون نگار یکم جنوری ۱۹۹۳ء کو تاریخ ساز دن قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یورپین سنگل مارکیٹ (EUROPEAN SINGLE MARKET) کا قیام اور آغاز کار تاریخ کا عظیم تصوراتی شاہکار ہے۔ یورپی خطے کو سڑکوں اور ریلوں کے انتہائی تیز رفتار نظام سے مربوط کرنے کے ساتھ ساتھ فضائی اور بحری رابطوں کو بھی جدید بنیادوں پر استوار کرنے کا عمل بھی شروع ہو چکا ہے۔ اسطرح بالٹک کی ریاستوں (COUNTRIES BALTIC) کو شمالی سمندر اور بحیرۂ اسود تک کی رسائی براستہ برطانیہ، فرانس چینل اس سال کے آخر تک مہیا ہو جائے گی۔ عام لوگوں کو مادی کشش کی بنیاد پر یہ سہولت انفرادی سطح پر اس طرح مہیا کی گئی ہے کہ وہ ان ریاستوں میں سے کسی قسم کا کوئی بھی سامان بغیر کسی چیکنگ کے لا اور لے جا سکتے ہیں۔ اور کسی قسم کے ٹیکس کی ادائیگی ان پر ۱۹۹۹ء تک نافذ العمل نہیں ہو گی۔ اس دوران ایک ہی شعبے میں کام کرنے والی بڑی بڑی کمپنیاں شراکت کا ادغام

کریں گی۔ ان کمپنیوں کے مال کی ترسیل پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہو گی۔ تمام وابستہ ممالک اپنے اپنے ملک میں قانون سازی کے ذریعے ایک آہنگ کے ساتھ اس منصوبے کی رفتار کو مہمیز دینے کے عمل کو جاری رکھیں گے۔ اور نقل مکانی کی یہ شکل تاریخی فتوحات کے عمل کا متبادل ہو گی۔

حکومتیں پہلے ہی تمام قومی ملکیتوں از قسم بینک، ائر لائنز، ٹیلی کام، ریلویز اور ڈاکخانوں وغیرہ کو تیزی سے نجی شعبوں میں منتقل کر رہی ہیں۔ فاضل مضمون نگار کے نزدیک تاریخ کا ہر منفرد عمل ان بارہ اور بعد میں شامل ہونے والی سات اور ریاستوں کو مادی مفادات کی بنیاد پر باہمی تعاون پر اس طور لے آئے گا کہ یہ ریاستیں مختلف لسانی ثقافتی، کرنسی اور دیگر اختلافات کے باوجود یورپی (عیسائی) عزائم کی قوت سے یکجہتی کے ترفع سے ہمکنار ہو جائیں گی۔ بلاشبہ یہ عمل ایک رات میں نہیں البتہ ایک نسل کے دورانئے میں تکمیل پا جائے گا۔ نئے یورپ کی تشکیل کا عمل شروع ہو چکا ہے جو یورپ کے لوگوں (عیسائیوں) کو ایک انتہائی سود مند اور پر سکون زندگی فراہم کرے گا۔

یورپ میں بسنے والی مسلم آبادیوں پر مشتمل ریاستیں اور خطے شعوری طور پر یورپین کمیونٹی کا جز نہ بنائے گئے ہیں اور نہ بنائے جائیں گے۔ ان حروف کی تحریر تک ماسوائے چین کے پوری دنیا میں مسلمان جہاں کہیں بھی جس حیثیت میں بس رہے ہیں مسلسل ہر قسم کے ظلم و تعدی کا نشانہ بنائے جا رہے ہیں۔ وہ تمام اسلامی ممالک جہاں مغربی بالادستی (عیسائی بالادستی) کے عمل کی سوجھ بوجھ کسی شکل میں بھی موجود ہے اور وہ نئے یورپ کی تشکیل کی پشت پناہ دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کو اس تناظر میں دیکھنے کی جسارت کر رہے ہیں وہ مسلسل داخلی اور خارجی دباؤ، شکست و ریخت، عدم استحکام اور سازشوں کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ آزر بائیجان اور آرمینا کی چپقلش، بوسینا اور سرب (عیسائی) آویزش میں مغربی طاقتوں اور امریکہ کا طرز عمل ہر ذی شعور پر واضح ہے۔ اگر کوئی اس صورت حال پر احتجاج کی جسارت کر ہی لیتا ہے تو بنیاد پرستی کا الزام اور دہشت گردی کا اتہام بنا کر اُن کی زیست مشکل تر کر دی جاتی ہے۔ کمزور حکومتیں لرزہ براندام ہو جاتی ہیں۔ بکنے والے افراد بہت بڑی تعداد میں میسر ہیں۔ ملت اسلامیہ کے قاتل اسلامی ممالک میں ہی شخصی مفادات کے تحفظ کے معاوضے میں شاندار پذیرائی سے نوازے جاتے ہیں۔ لیکن بصیرت ختم ہو چکی ہے۔ ملک و قوم کے خالصتاً داخلی معاملات بھی اپنی ضرورتوں اور ملّی تقاضوں کی روشنی میں طے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ وطن عزیز میں نج کاری کا عمل، موٹروے کا قیام، روس کی جنوبی مسلم ریاستوں تک رسائی کی خواہش، ان ریاستوں کو گرم پانیوں تک پہنچانے اور اسلامی ثقافت کی لڑی میں پرونے کی ہر کوشش کے حامل افراد اور حکومتوں کو غیر مستحکم کرنے، بین الاقوامی وسائل سے محروم کرنے اور جارحیت کا شکار کرنے کے بہانے تراشنے کا عمل مسلسل جاری و ساری ہے۔ اگر معاشیات کی بنیاد پر (جسے میں کھلا دھوکہ قرار دیتا ہوں) سرحدوں کو کھولنے کا عمل ایک تاریخ ساز تصوراتی منفرد شاہکار ہے۔ تو بحر اوقیانوس کے ساحل سے لیکر وطن عزیز تک باہم پیوست، مربوط اور ایک ہی مرکز کے ماتحت ۱۹۱۹ء تک زندگی گزارنے والی ملت کے درمیان ایک مرکز کی بازیافت یا ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا تصور یا پین اسلام ازم (PAN ISLAMISM) پر اور امریکہ سیخ پا کیوں؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ملت اسلامیہ کے ذی شعور افراد، مختلف گروہ اور عامتہ الناس

new rapid transit station at Roissy-Charles de Gaulle Airport in Paris, Italian contractors build roads in Spain, a Spanish company sweeps streets in British towns, and U.K. personal computers help keep the German parliament going.

Significant Start. The new way of operating means state-owned industries will have to do without massive injections of aid. This affects roughly half of all workers in Germany, Belgium and Italy who work in state-owned and protected enterprises. Governments are already selling off national banks, airlines, telecom monopolies, railways and other loss-makers. Even sacred cows like post offices and utilities are feeling the breeze.

It is unique in history that 12 modern states (plus seven more eventually) would willingly sit down to coordinate their material interests. That they would succeed in overcoming the difficulties of a multitude of languages, currencies, legal systems and countless clashes of culture and outlook is a formidable demonstration of European willpower.

Certainly the nuts and bolts of integration have to be tightened and adjusted, and it will take perhaps a generation for it to percolate into every element of business and personal life. For the moment, electric plugs are still different, as countries cannot be rewired overnight. The British still drive on the left, and Europe remains a patchwork of national air spaces where planes are controlled by 22 different computer systems, mostly unable to talk to each other.

And national habits, thankfully, will never change. German businessmen will address each other by surname, the Danes will think staying in the office later than 4:30 p.m. is a sign of incompetence, and nothing will ever persuade the French to put a tea bag in a cup before the hot water.

But the real work of forging a new Europe has begun. To succeed, it will take the efforts of countless individuals, making the most of fresh opportunities and using European laws to fight for their rights. In this way, the Single Market can become a powerful mechanism propelling Europe's people toward a more rewarding and satisfying life. "People think of the Single Market in terms of interference by Eurocrats," says Colm Mac Eochaidh at the Brussels office of the British Law Society. "We've yet to wake up to what an enormous and liberating thing it is."

○

ایک ہو کر ان سرحدوں کو ختم کریں، مفادات کی بنیاد پر حکومتوں پر براجمان افراد سے خلاصی حاصل کریں اور نو آبادیاتی نظام کے نتیجے میں مراعات یافتہ طبقات کو انقلاب کی نذر کرتے ہوئے سازشیوں، مفاد پرستوں اور اغیار کے ہمانندوں سے پاک افراد کے انتخاب کی بنیاد پر ملت اسلامیہ کے ایک مرکز کی تشکیل کیلئے اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں وقف کر دیں۔ یاد رہے کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی جان سے پیارا نہ ہو" وقت آ گیا ہے کہ اب اپنی وابستگی کے ثبوت میں انتہائی وارفتگی کے ساتھ مردانہ وار میدان کارزار میں اتریں۔ ورنہ اکیسویں صدی آپ کے (مسلمانوں) وجود کو بھی برداشت نہیں کرے گی۔

scratch or be a certain nationality, although it can require language and brush-up tests or familiarization periods. Students can attend any university as long as language and academic abilities are acceptable. And anyone can start a business, manage a company or teach, as long as he follows local laws.

Where people and goods can move freely across frontiers, so can services. Transport, for one thing, is changing dramatically. Governments no longer set high fares and block rival services to protect inefficient national carriers. Airlines can fix their own fares as long as they are not predatory, setting the stage for intense competition on all except quiet regional routes. From April 1997 any EC airline can fly anywhere in the Community – Lufthansa could start services between London and Edinburgh, for instance – if it can find room at congested airports. High-cost airlines like Alitalia and Olympic Airways will have to struggle to compete with the likes of the privatized British Airways.

Trucks and coastal ships also have an open market, although not yet buses. Permits and quotas for trucks are ending, and rights to carry loads anywhere are being phased in. Dutch truckers can thus run against German trucks on the Berlin-Munich route, but will also be up against cheaper Spanish trucks. And everywhere the time-consuming red tape at border crossings is disappearing.

Economic Changes. The biggest shake-up of all, however, is that money and financial services can move across borders as easily as planes and trucks. Exchange controls have all but vanished, although Greece and Portugal will retain some restrictions until 1995. Banks approved in one country can now operate anywhere, and many have rushed to get ahead of the game by buying into new markets. Deutsche Bank and Crédit Lyonnais now own whole networks of branches in other EC countries, while the Crédit Commercial de France, the Royal Bank of Scotland and the Spanish Banco Santander have linked arms.

These alliances are only part of the largest wave of cross-border mergers and takeovers in history. Throughout Europe, companies are streamlining and internationalizing their operations. Take supermarkets: a Danish chain has opened 39 new shops in Britain and 40 in Germany. Carrefour, one of France's largest hyper-market chains, now does a third of its business abroad, mainly in Spain.

The essence of the updated EC is competition on even terms. "The Single Market is a kick in the pants for unfit companies," reports Zygmunt Tyszkiewicz, head of UNICE, the Brussels-based association of national employers' federations. "But real benefits will come as companies pool resources and get into shape to take on the world."

This is already happening. Europe's eight manufacturers of telephone exchanges, none viable on its own, have become three big companies that can flourish with market access to all of Europe. Twenty makers of locomotives and railway carriages have combined into three major players – each with a turnover of 800 million ecus a year – claiming a large part of the market. Not only companies are affected. The lifting of borders means importers in France, for instance, can avoid inefficient dockers by shipping freight through Antwerp in Belgium.

One of the biggest prizes of the Single Market is open access to major public contracts. Worth more than 500 billion ecus a year in the EC, they had long been reserved for favored national companies to keep local people in jobs. Now those protectionist days are over. Already German and British companies are constructing parts of the showpiece

to inform consumers. Any product permitted for sale in one country can be sold in all others provided key information about its origin, ingredients and quality are on its label. German shoppers, for instance, can discern whether beer conforms to their purity laws or contains additives, and whether their *wurst* is pure meat or cheaper "English sausage" with as little as 55 percent meat. Either way, they can decide for themselves whether higher quality is worth the price.

Businesses benefit too. Sales of diet cola were negligible in Italy because only one kind of sweetener was permitted. "Few people liked the taste," says Walter Brinkmann of Coca Cola Europe. "Now that we can use a multitude of sweeteners, we've blended a better taste and sales are soaring. The Single Market means there are tremendous opportunities to be grabbed."

Another case in point is that differing technical standards were an obstacle to buying a car more cheaply in one country and importing it to another. The French blocked cars without yellow headlights, for instance. But no more. Uniform technical specifications are being phased in throughout the EC and will be standard in new cars after three years.

Not every anticipated benefit of the Single Market has come about. Doing away with identity checks at internal frontiers was supposed to be the most important symbol of the new-look EC. It's ironic, then, that while suitcases can go straight through customs, travelers to most countries still need identity papers. On the continent most countries require identity documents of some sort to be carried. Britain and Ireland will still make quick checks of documents to ensure non-EC nationals do not sneak through the system.

Wider Opportunities. At the heart of a free-travel EC are the nine countries* that have signed the 1985 "Schengen Agreement." Although not yet ratified by all, its groundwork is effectively in place. One result is that after next December, airline passengers flying to and from the Schengen countries will be separated from other international passengers. At the Paris airports, for example, special terminal facilities will help whisk them through without identity checks. Schiphol airport in Amsterdam proposes that intra-Schengen travelers will bypass immigration controls by showing a disembarking card. At Frankfurt such passengers will either pass through domestic facilities or be bused to and from special gates where they don't have to show identity documents.

Even if they must still carry identification in most countries, all nationals of EC and EFTA states have a legal right to work and live anywhere within the 19 member states. They can even use local employment offices to find a job. A residence permit may have to be obtained within a specified time, a formality as long as they are employed. If they are not working, they must demonstrate financial support, such as an adequate pension.

This new freedom is having a big effect. Tens of thousands of Britons and Dutch have already settled in France. In the Alsace border region, the number of French people working in high-wage Germany has skyrocketed, while many Germans are buying cheaper houses in France. The right to work extends offshore as well. For example, Spanish fishermen will be able to trawl traditionally protected Norwegian waters for cod.

Generally, each country must recognize professional qualifications and job skills. No country can demand that a person must start from

*Belgium, France, Germany, Greece, Italy, Luxembourg, the Netherlands, Portugal, Spain.

on. Sweden, Finland, Austria and Switzerland hope to gain full EC membership by 1995, with Norway possibly next. Waiting down the line are the new democracies of Eastern Europe. Across the board, the way Europeans live and do business together has been transformed – perhaps forever.

THE BREAKTHROUGH came in 1985 when EC governments, snapping out of nearly two decades of lethargy, launched an ambitious program to eliminate all obstacles to the free movement of people, goods, capital and services across shared borders. The genius of the plan was to impose a deadline – 282 frontier-busting measures to be agreed upon and enforced before the end of 1992.

Behind the doors of the European Commission in Brussels, teams of experts horse-traded thousands of humdrum details to rejuvenate Europe commercially. Against all odds, decisions were reached by the Council of Ministers on every crucial issue. A few were left to the last minute, such as how to deal with Value Added Tax (VAT) on gold and secondhand goods, and how to control exports of national cultural treasures. But by the end of last month over 95 percent of the legal framework was in place.

Along the way, anticipation has provided an additional boost. Despite the high costs of German reunification, the Gulf War, and a world recession, foreign investment in Europe has leaped by 275 percent in the past five years. Trade between EC countries has soared by 50 percent.

Shopping Boon. Now, since the first of the year, the internal gates of the EC are wide open. Trucks go straight through borders and paperwork is done on arrival. Luggage on intra-Community flights is marked with green-edged tags, and exempt from customs searches. (Security checks for such things as weapons, pornography or drugs might still be made.) You can buy anything you like in the EC and, as long as it's for personal use, bring it home with no grilling from customs officers and no taxes. Even for tobacco and alcohol – unless bought in duty-free shops, which will operate until 1999 – "personal use" allowances are generous.

A bargain-hunter's paradise is unfolding because VAT and prices still vary widely country to country. And since VAT is considered part of the purchase price, there are no restrictions on what you can bring home for personal use, even if your own country has a higher rate. Shoppers facing a 25 percent VAT in Denmark, for example, can make big savings in Spain, where the rate is only 13 percent. For cars and business-to-business sales, a different system applies until 1997.

Moreover, while some companies such as the LEGO group are setting nearly uniform prices for their products across Europe, many others – including Philips and Sony – are not. Italians and Spaniards in need of a TV, for instance, can save up to half the cost if they buy it in the Netherlands or Germany.

Choices. The wide variety of goods in local supermarkets, too, is dramatic evidence of the EC in action. Before the Single Market program, every country thwarted imports with a maze of niggling rules and standards. For instance, Germany allowed beetroot juice extract to color fruit in yogurt but not the yogurt itself, while in Belgium it was the other way around. Such differences cost Europe 200 billion ecus a year in lost production, and it took 14 years to formulate a "Euro-jam" acceptable to all members.

But the Single Market has taken a fresh approach: EC legislation is needed only to protect health and safety, to ensure fair trading and

Despite political setbacks and unresolved disputes, a borderless Single Market is now a reality

A New Europe Dawns

BY JOHN DYSON

JANUARY 1, 1993. Europe's Single Market is up and running, right on time. The 12 European Community (EC) member countries have created the most imaginative enterprise in its history: an area of open frontiers in which workers, businesses, products and finance can move without controls. Already this Euro-express is firing up powerful new economic engines, intent on speeding 350 million Europeans into the next century.

By closely integrating the countries of Western Europe, the Single Market is on the verge of creating the world's biggest, richest and most powerful trading partnership. Now any European person or business can seek fresh opportunities in any part of this new Europe. After centuries of guarded borders, duties and obstacles, products can be loaded on trucks and delivered anywhere. For thousands of European companies, the potential is immense.

Take computers, for example. Compaq runs its 1.3 billion-ecu business from Munich, manufactures in Scotland, and will dispatch orders from a central warehouse in the Netherlands to customers all over Europe. "Savings could run into millions of dollars," reports finance vice president Franz Egermann. Meanwhile Honeywell, a control components company, once forced by conflicting national standards to make 50,000 different products, is on the way to slashing that number to 10,000. "It's a whole new way of doing business," says Alex Profili at the company's headquarters in Brussels, "and it works - growth is up five percent every year."

Even physically, Europe's neighborhoods are drawing closer, with road and rail lines bridging the Baltic countries, a new waterway joining the North Sea with the Black Sea, the Channel Tunnel linking Britain and France scheduled to open at the end of this year, and the rapid growth of high-speed trains.

Obstacles remain. About a quarter of the Single Market agreements are yet to be worked into national laws. A heavy agenda for change stretches ahead, loaded with such issues as ending unfair state subsidies. And behind many of the hurdles is a widespread fear among Europeans of losing national sovereignty.

Even so, the trading potential of the new EC under the Single Market program is so alluring that all seven member countries of the affluent European Free Trade Association (EFTA)* are progressively latching

*Austria, Finland, Iceland, Liechtenstein, Norway, Sweden, Switzerland.

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے!

ہمارے دینی اِدارے اور مستقبل کے منصوبے مسلمان توجّہ فرمائیں

★ — مجلسِ احرارِ اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریکِ ختمِ نبوّت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمّتِ مسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابر احرار نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک نتیجہ پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمّتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ ملک دینی ادارے قائم کیے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یوں ہے:

★ مدرسہ معمورہ ——— دارِ بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان۔ فون نمبر: ۲۸۱۲۷

★ مدرسہ معمورہ ——— مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان ———

★ بُستانِ حمیرا (مدرسۃ البنات) ——— دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان ———

★ سادات اکیڈمی ——— دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان ———

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ ——— ناگڑیاں ضلع گجرات ———

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر: ۸۰۸۶ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— سرگودھا روڈ ربوہ ———

★ دارُالعُلوم ختمِ نبوّت ——— چیچہ وطنی — فون نمبر: ۲۹۵۳ – ۲۱۱۲ ———

★ احرار ختمِ نبوّت سینٹر ——— چیچہ وطنی ———

★ مدرسہ ابوبکر صدّیق ——— تلہ گنگ ضلع چکوال ———

★ مدرسۃ العُلوم الاسلامیہ ——— گڑھا موڑ۔ فون: ۱۲ ———

★ مدرسۃ البنات ——— گڑھا موڑ۔ فون: ۱۲ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— نواں چوک گڑھا موڑ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— صادق آباد ضلع رحیم یار خان ———

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو، دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مبلّغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، بچوں کی کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمّتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعا ہم کرینگے اور اجر اللہ پاک دینگے — آئیے، آگے بڑھئے اور اجر کمائیے

سیّد عطاء المحسن بخاری دارِ بنی ہاشم ○ مہربان کالونی ○ ملتان

ترسیلِ زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

جامع مسجد ختمِ نبوت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

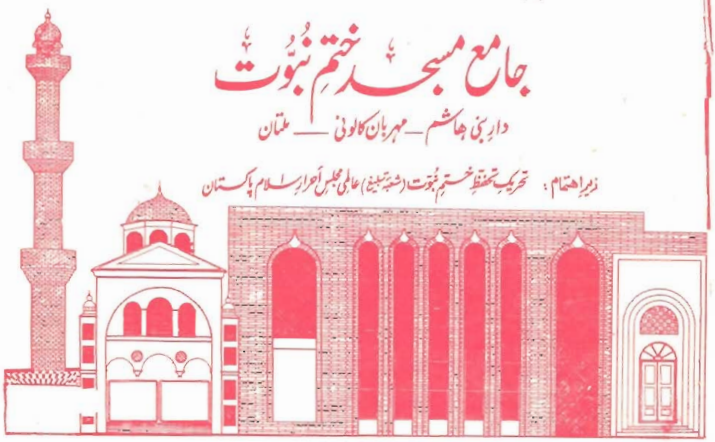

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

مسجد تکمیل کے مراحل میں ہے، دیواروں کے پلستر، ٹونٹیوں کی تنصیب، بجلی کی فٹنگ دروازوں اور کھڑکیوں کی تنصیب کا کام جاری ہے۔ اِس وقت تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ نقد و سامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ اور اللہ سے اجر پائیں۔

ترسیل زر کے لئے

بذریعہ بنک ڈرافٹ، چیک

بنام ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان۔